سب کے لیے تعلیمی مہم پروگرام
سب پڑھیں، سب بڑھیں

مفت تقسیم

درجہ - 7

ماضی سے حال

حصّہ - 2

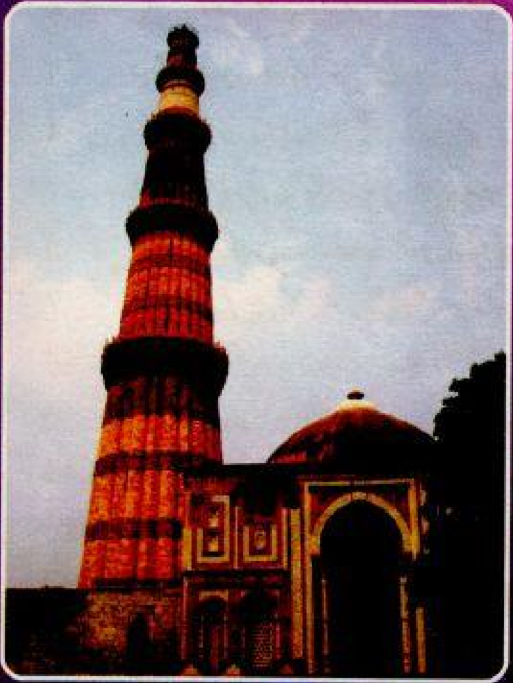

سب کے لیے تعلیمی مہم پروگرام کے تحت اسکولی بچوں کے لیے درسی کتابیں برائے **مفت تقسیم** شائع کی گئیں۔ اس کتاب کی خرید فروخت قانوناً جرم ہے۔

بہار معیاری تعلیمی مہم (بہار ایجوکیشن پروجیکٹ کونسل) کی جانب سے چلائی جارہی بیداری مہم

"سمجھیں — سیکھیں"

معیاری تعلیمی مہم کے بیس رہنما اصول

1. اسکولوں کا وقت سے کھلنا اور بند ہونا۔
2. وقت پر تعلیمی سیشن کا انعقاد۔
3. ہر ایک بچہ اور استاد کی اسکول کے وقت میں، اسکول میں موجودگی۔
4. ہر ایک بچہ اور ہر ایک استاد سیکھنے۔سکھانے کے عمل میں غرق ہو۔
5. اساتذہ کو بچوں کے تعلیمی معیار کی واقفیت اور اس کے تئیں مستعدی۔
6. مسلسل اور گہرائی کے ساتھ صلاحیتوں کی جانچ۔
7. درجہ۔1 کے لئے خاص طور پر کُل وقتی اساتذہ۔
8. اسکول کے سبھی درجات میں بلیک بورڈ کا مکمل طور سے استعمال۔
9. سبھی درجات میں روزانہ کے تعلیمی ٹائم ٹیبل کی دستیابی اور اس کا استعمال۔
10. آخری گھنٹی میں کھیل کود، آرٹ اور ثقافتی سرگرمیاں۔
11. اسکول میں دستیاب کرائی گئیں کہانی کی کتابیں اور کھیل کود کے سامانوں کا استعمال۔
12. Menu کے مطابق دوپہر کے کھانے (Mid-day meal) کی پابندی کے ساتھ روزانہ تقسیم۔
13. فعال بچوں کا پارلیامنٹ اور مینا منچ۔
14. صاف ستھرے بچے اور صاف ستھرا اسکول۔
15. دستیاب پینے کے پانی کا انتظام اور بیت الخلاء کا استعمال۔
16. اسکول کے احاطے میں باغبانی۔
17. اسکولوں میں دستیاب کرائے گئے گرانٹ کا استعمال۔
18. سبھی بچوں کے پاس اپنے اپنے درجہ کی درسی کتابوں کی دستیابی۔
19. اسکول کی انتظامیہ کمیٹی کی پابندی سے ہونے والی میٹنگ میں تعلیم کے معیار (Quality) پر چرچا۔
20. اسکول میں ہر ایک درجہ کے اساتذہ اور گارجین کے ساتھ تبادلۂ خیال۔

ماضی سے حال

حصہ-2

ساتویں درجہ کے لئے تواریخ کی درسی کتاب

Class-7

تیار کردہ: صوبائی کونسل برائے تعلیمی تحقیق وتربیت (SCERT) بہار، پٹنہ

بہار اسٹیٹ ٹکسٹ بک پبلشنگ کارپوریشن لمیٹڈ، پٹنہ

ڈائرکٹر (پرائمری ایجوکیشن) محکمہ تعلیم، حکومت بہار سے منظور

صوبائی کونسل برائے تعلیمی تحقیق و تربیت (SCERT) پٹنہ کے تعاون سے پوری ریاست بہار کے لیے

سبھی کے لیے تعلیمی مہم پروگرام (SSA) کے تحت
اسکولی بچوں کے لئے درسی کتاب برائے
مفت تقسیم
شائع کی گئی۔ اس کتاب کی خرید وفروخت قانوناً جرم ہے۔

© بہار اسٹیٹ ٹکسٹ بک پبلشنگ کارپوریشن لمیٹڈ

SSA : 2014-15 : 45,338

شائع کردہ

بہار اسٹیٹ ٹکسٹ بک پبلشنگ کارپوریشن لمیٹڈ

پاٹھیہ پُستک بھون، بدھ مارگ، پٹنہ 800001

مطبوعہ Sanjay Printing Works, Patna-8

(ٹکسٹ کے لئے HPC کا GSM 70 سفید CREAM WOVE

واٹر مارک اور سرورق کے لئے HPC کا GSM 130 وہائٹ واٹر مارک کاغذ استعمال میں لایا گیا۔

size : 24x18cm

پیش لفظ

محکمہ تعلیم، حکومت بہار کے فیصلے کے مطابق، اپریل 2009ء سے پہلے مرحلہ میں ریاست کے درجہ IX کے طلباء وطالبات کے لئے نئے نصاب کو نافذ کیا گیا۔ اسی کے تحت تعلیمی سال 11-2010 کے لئے درجہ I، III، VI اور X کی تمام لسانی اور غیر لسانی درسی کتابوں کا نصاب نافذ کیا گیا۔

اس نئے نصاب کے تحت قومی کونسل برائے تعلیمی تحقیق وتربیت (NCERT)، نئی دہلی کے ذریعہ تیار کردہ درجہ X کے حساب (ریاضی) اور سائنس نیز صوبائی کونسل برائے تعلیمی تحقیق وتربیت (SCERT)، بہار، پٹنہ کے ذریعہ تیار کردہ درجہ I، III، VI اور X کی تمام درسی کتابیں بہار اسٹیٹ ٹکسٹ بک پبلشنگ کارپوریشن لمیٹڈ کی جانب سے سرورق کی ڈیزائننگ کر کے شائع کی گئیں۔ اس سلسلے کی کڑی کو آگے بڑھاتے ہوئے تعلیمی سال 2012-2011 کے لئے درجہ II، IV اور VII کی نئی درسی کتابیں صوبے کے طلباء وطالبات کے لئے فراہم کی گئیں اور تعلیمی سال 13-2012 کے لئے درجہ V اور VIII کی نئی کتابیں دستیاب کرائی گئیں۔ ساتھ ہی ساتھ درجہ II، IV اور VII کی کتابوں کا نیا ترمیم واضافہ شدہ ایڈیشن بھی اسی سال ایس سی ای آر ٹی، بہار، پٹنہ کے تعاون سے شائع کیا گیا!

ریاست بہار میں معیاری اسکولی تعلیم کے لئے معزز وزیر اعلیٰ، بہار جناب نتیش کمار، وزیر تعلیم جناب پی کے شاہی اور محکمہ تعلیم کے پرنسپل سکریٹری، جناب امرجیت سنہا کی رہنمائی کے تئیں ہم تہہ دل سے شکر گزار ہیں۔

این سی ای آر ٹی، نئی دہلی اور ایس سی ای آر ٹی، بہار، پٹنہ کے ڈائرکٹر صاحبان کے بھی ممنون ہیں، جن کا بیش قیمت تعاون ہمیں ملا۔

بہار اسٹیٹ ٹکسٹ بک پبلشنگ کارپوریشن لمیٹڈ طلباء، سرپرستوں، معلموں نیز ماہرین تعلیم کے تبصروں اور مشوروں کا ہمیشہ خیر مقدم کرے گا، تا کہ ریاست کو ملک کے تعلیمی شعبہ میں بلند مقام حاصل ہو سکے۔

جے۔کے۔پی۔سنگھ I.R.P.S.
مینیجنگ ڈائرکٹر
بہار اسٹیٹ ٹکسٹ بک پبلشنگ کارپوریشن، لمیٹڈ

ابتدائیہ

پیش کردہ کتاب ''ماضی سے حال'' حصہ دوم برائے درجہ 7، قومی تعلیمی پالیسی 1986ء قومی نصاب کا خاکہ 2005ء اور صوبائی کاؤنسل برائے تعلیمی تحقیق وتربیت بہار پٹنہ کے ذریعہ تیار کردہ بی سی ایف 2008 کے اصول، فلسفہ اور تعلیمات کے نقطہ نظر کی بنیاد پر خصوصی طور سے بہار کے طالب علموں کے لئے تیار کی گئی ہے۔

یہ کتاب بہار کے نصاب کی بنیاد میں بہار کے اساتذہ کی جماعت اور ودیا بھون سوسائٹی ادے پور راجستھان کے ماہرین مضامین کے اجتماعی تعاون کے ذریعہ تیار کی گئی ہے۔

چونکہ یہ درسی کتاب عہد وسطیٰ کے ہندوستانی تاریخ سے متعلق ہے اس لئے نصاب کا مقصد آٹھویں صدی کے نصف آخر سے اٹھارہویں صدی کے نصف اول تک کے ہندوستان کی تاریخ سے طالب علموں کو روشناس کرانا ہے۔ اس کتاب کے ذریعہ سے عہد وسطیٰ کے ہندوستانی معاشرے کی خصوصیات اور اس عہد کے معاشرتی، سیاسی اور تہذیبی حلقے میں ہوئی تبدیلیوں اور معاشرتی میل جول کے عمل سے طالب علموں کو واقف کرانا ہے۔

اس کتاب کا مقصد طالب علموں کے اندر تاریخی شعور کو ترقی دینے کے ساتھ ان کی شخصیت کو ہمہ جہت ترقی دینا ہے۔ ساتھ ساتھ ان کے اندر میل جول، سیکولرزم، قومی بیداری، ملک کے اتحاد و یکجہتی اور آئین کی تجاویز کے مطابق ان کی شخصیت کو ارتقاء پذیر بنانا ہے۔

درسی کتاب کے توسط سے طالب علم اور استاد کے درمیان سیکھنے، سکھانے کے عمل کو خوشگوار اور بچوں کے سمجھ کے معیار کی بنیاد پر آسان اور موثر بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس لئے درسی کتاب کے تمام ابواب میں جابجا عملی سرگرمیوں کو جوڑا گیا ہے کیونکہ تدریس جس قدر عملی سرگرمیوں کی بنیاد پر ہوگی طالب علموں کو اسی قدر متحرک اور متوجہ کرے گا اس سے طالب علموں میں سمجھ کی بنیاد پر صلاحیت ارتقا پذیر ہوگی۔ درسی کتاب کا آخری باب ہمارے مورخین کے توسط سے بہار کے عہد وسطیٰ کی ہندوستانی تاریخ نویسی سے متعلق دو اہم مورخین سید حسن عسکری اور سر جادو ناتھ سرکار کی شخصیت اور طرز تحریر سے واقف کرانا

ہے تاکہ طالب علم ان کے سبق آموز اور تحریکی شخصیت سے تاریخ نویسی کے بارے میں ایک واضح فکر پیدا کر سکیں۔

اس درسی کتاب کی تیاری میں بہار تعلیمی منصوبہ کاؤنسل پٹنہ اور یونیسیف (UNCEF) کا تعاون بھی سراہنے کے قابل ہے۔ پیش کردہ درسی کتاب کا مخطوطہ تیار کرنے میں صوبائی کاؤنسل برائے تعلیمی تحقیق وتربیت کے شعبہ جاتی ارکان، این. سی. ای. آر. ٹی. بہار اسٹیٹ بک پبلشنگ کارپوریشن، وِدّیا بھون سوسائٹی اور ایک لویہ (مدھیہ پردیش) کے ذریعہ تیار کردہ کتابوں کے علاوہ کئی پبلشرز کی کتابیں حوالے کی شکل میں درسی کتاب کی تیاری میں مفید ثابت ہوئیں۔

توقع ہے کہ تاریخ کی یہ درسی کتاب طالب علموں کے لئے مفید ہوگی۔ اس کتاب کے لئے معاصر تنقید، تبصرہ اور مشوروں کے لئے کاؤنسل خیر مقدم کرے گی۔ وصول کئے گئے مشوروں کے تئیں کاؤنسل بیدار اور حساس ہوکر آئندہ ایڈیشن میں لازمی اصلاح کے لئے پابند عہد ہوگی۔

حسن وارث

ڈائرکٹر

صوبائی کونسل برائے تعلیمی تحقیق وتربیت، بہار، پٹنہ

رہنما کمیٹی برائے فروغ درسی کتب

☆ جناب راہل سنگھ
اسٹیٹ پروجیکٹ ڈائریکٹر بہار ایجوکیشن پروجیکٹ کونسل، پٹنہ

☆ جناب امت کمار
اسسٹنٹ ڈائرکٹر، پرائمری ایجوکیشن، محکمہ تعلیم، حکومت بہار

☆ جناب رام شرنا گت سنگھ،
جوائنٹ ڈائرکٹر محکمہ تعلیم، حکومت بہار، پٹنہ

☆ ڈاکٹر گیان دیومنی ترپاٹھی
پرنسپل میتری کالج آف ایجوکیشن اینڈ مینجمنٹ، حاجی پور

☆ جناب حسن وارث
ڈائرکٹر ایس سی ای آر ٹی، پٹنہ

☆ جناب مدھوسودن پاسوان
پروگرام آفیسر، بہار ایجوکیشن پروجیکٹ کونسل، پٹنہ

☆ ڈاکٹر سید عبدالمعین
صدر، ٹیچرس ایجوکیشن، ایس سی ای آر ٹی، پٹنہ۔

☆ ڈاکٹر شویتا شانڈلیہ
ایجوکیشن اکسپرٹ، یونیسیف، پٹنہ

مجلس برائے فروغ درسی کتاب

سبجکٹ اکسپرٹ

ڈاکٹر امتیاز احمد، ڈائرکٹر خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ
ڈاکٹر گوتم پانڈے، سینئر لکچرر، راجیہ پرمکھ راجستھان، عظیم پریم جی فاؤنڈیشن

مرتبین (ھندی)

ڈاکٹر مادھوری دوویدی، ٹیچر، پٹنہ کالجیٹ اسکول، پٹنہ
ڈاکٹر پورن ناتھ کمار، ٹیچر، بالک مڈل اسکول، مچھواٹولی، پٹنہ
ڈاکٹر نریندر دیو، ٹیچر، اردو پرائمری اسکول، وارث نگر، گیا
جناب انجنی کمار، ٹیچر، پرائمری اسکول، شیر پور، بھوئی ٹولی، گیا
جناب گیان رنجن، ٹیچر، ہائر سکنڈری اسکول، شکور آباد، جہان آباد
محترمہ شانتا کماری، ٹیچر، اپ گریڈیڈ اسکول، پچوت، وکرم

کوآرڈینیٹر

محترمہ ویر کماری گجور، لکچرر، ایس سی ای آر ٹی، پٹنہ

نظر ثانی

ڈاکٹر (پروفیسر) نیہارنندن پرساد سنگھ، سابق وائس چانسلر، بھیم راو امبید کر یونیورسٹی، مظفر پور

ڈاکٹر (پروفیسر) اے کمار سنگھ، سابق صدر شعبہ تواریخ، پٹنہ یونیورسٹی، پٹنہ

مرتّبین (اردو)

ڈاکٹر نسیم احمد، جی ایم کالج، بتیا (مغربی چمپارن)

ڈاکٹر نثار احمد فیضی، ذاکر حسین ہائی اسکول 2+، پٹنہ

ڈاکٹر، شہاب ظفر اعظمی، پٹنہ یونیورسٹی، پٹنہ

نظر ثانی (اردو)

جناب سید جاوید حسن، ممبر، لٹریسی پروموشن کمیٹی، ڈائرکٹوریٹ آف ایڈلٹ ایجوکیشن، نئی دہلی

محمد شکیل رضا، معاون استاد، ٹی۔ کے۔ گھوش اکیڈمی، سکنڈری اسکول، پٹنہ

اسباق کی فہرست

سبق نمبر	سبق کا عنوان	صفحہ نمبر
سبق۔1	کہاں، کب اور کیسے؟	1
سبق۔2	نئے صوبے اور بادشاہوں کا نمود	22
سبق۔3	ترک افغان حکمراں	38
سبق۔4	مغل حکومت	59
سبق۔5	طاقت کی علامت کی شکل میں فن تعمیر، قلعے اور مذہبی مقامات	79
سبق۔6	شہر، تجارت اور کاریگر	94
سبق۔7	سماجی وتہذیبی فروغ	113
سبق۔8	علاقائی تہذیب وثقافت کا عروج	136
سبق۔9	18 ویں صدی میں نئی سیاسی سرگرمیاں	149
سبق۔10	ہمارے تاریخ داں (i) سر یدوناتھ سرکار (ii) سید حسن عسکری	162

1

کہاں، کب اور کیسے؟

یوم بہار کے موقع پر راکھی اور آیوش پٹنہ کے گاندھی میدان میں آئے۔ میدان میں میلے جیسا ماحول تھا۔ مختلف خیموں میں الگ الگ سرگرمیاں چل رہی تھیں۔ گھومتے گھومتے وہ لوگ ایسے خیمے (پنڈال) میں پہنچے جہاں کوئز مقابلہ ہو رہا تھا۔ ایک سوال تھا کہ پٹنہ کا قدیم نام کیا تھا۔ راکھی تیزی سے اسٹیج کی طرف بڑھی، مائک اپنے ہاتھ میں لیا اور زور سے بولی۔ ''پاٹلی پترا''، تالیوں کی آواز کے ساتھ راکھی کو انعام ملا۔ راکھی کا چھوٹا بھائی آیوش سوچنے لگا کہ کوئی جگہ نام وقت کے ساتھ کہاں، کب اور کیسے تبدیل ہو جاتا ہے؟

آپ نے درجہ چھ (ماضی سے حال حصہ-ا) میں ہرش وردھن کے دور حکومت تک پڑھا تھا۔ اب ہم اس درجہ میں ہرش وردھن کے دور حکومت کے بعد کے زمانہ کو سمجھنے کی کوشش کریں گے۔ آپ دیکھیں گے کہ ہرش کے پہلے کے ہندوستان اور بعد کے ہندوستان میں کون کون سی تبدیلیاں آئیں۔ وقت کے ساتھ ساتھ ہمارے معاشرے میں مختلف تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں۔ یہ تبدیلیاں کبھی الفاظ کے معنی، کبھی جگہوں کے نام، کبھی جغرافیائی سرحدوں اور کبھی طرز حیات کے پس منظر میں ہوتی رہتی ہیں۔

وقت کے ساتھ ساتھ افراد کے کھان پان (خورد و نوش) رہن سہن، پہناوا، اوڑھاوا اور رسم و رواج وغیرہ میں تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں۔ آپ اپنے ہی ملک کے کسی دوسرے صوبے میں جائیں گے تو وہاں کے کھان پان اور لباس وغیرہ میں فرق دیکھنے کو ملے گا۔ جب آپ کو بھی ان کے ساتھ کچھ دنوں تک رہنے کا موقع ملے گا تو ممکن ہے کہ آپ کے طرز حیات میں بھی تبدیلی نظر آنے لگے۔

آگے کے تذکرہ میں ہم موٹے طور پر 750ء سے 1750ء (آٹھویں صدی کے وسط آخری سے اٹھارہویں صدی کے وسط) تقریباً ایک ہزار سال میں ہونے والی تبدیلیوں کو سمجھنے کی کوشش کریں گے۔

آج ہم اپنے ملک کے لئے ہندوستان نام کا استعمال ''بھارت'' اور ''انڈیا'' کے متبادل کی شکل میں کرتے ہیں۔ کیا آپ جانتے ہیں کہ یہ نام تیرہویں صدی میں ٹُرک سلطنت کے قیام (ترکوں کا تذکرہ تفصیلی شکل میں باب تین میں کیا گیا ہے) کے بعد رائج ہوا۔

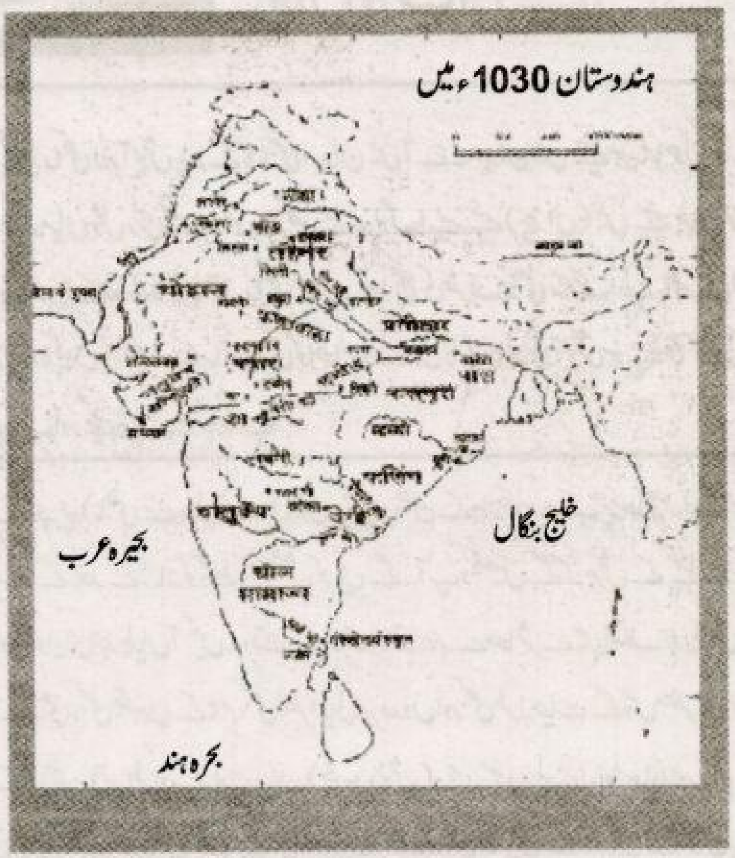

اس وقت ہندوستان کی جغرافیائی سرحد ان علاقوں پر مشتمل تھی جو ترک سلطنت کے ماتحت تھے۔ تقریباً تین صدیوں کے بعد مغل خاندان کے بانی بابر نے ''ہندوستان'' لفظ کا استعمال حقیقت میں پورے برصغیر کے لئے کیا مگر اس علاقے میں مغل حکومت کی مکمل توسیع سترہویں صدی کے آخری سالوں میں بابر کی اولاد اورنگ زیب کے زمانے میں ہوئی۔

اسی طرح ہمارا صوبہ جس نام سے جانا جاتا ہے یا ''بہار'' اس کا استعمال بھی تیرہویں صدی کے ایک مؤرخ

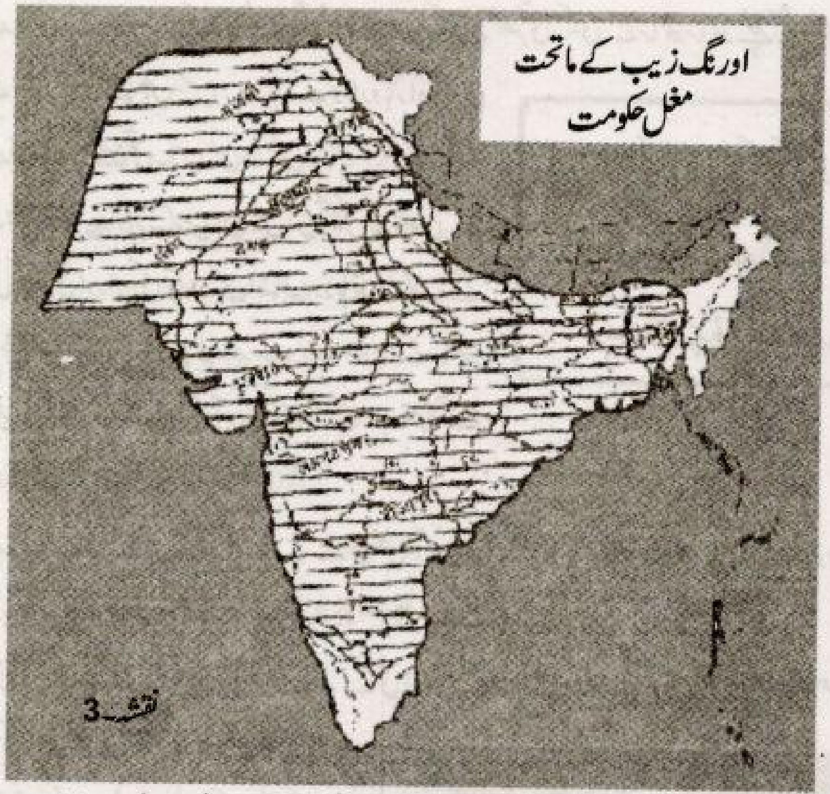

منہاج سراج نے سب سے پہلے کیا۔ بودھ وہاروں (خانقاہوں) کی اس سرزمین کو ''ارض بہار'' کا نام دیا اور مغل دور (مغل دور کا تذکرہ باب (اکائی) چار میں تفصیلی شکل میں کریں گے) میں اسے صوبہ کی شکل میں نظم کیا۔

سہ رخی ہندوستان

نقشہ-1 میں 750ء سے 1200ء کے درمیان کے برصغیر ہند کے خاص صوبے اور ان پر حکومت کرنے والے شاہی خاندانوں کو دکھایا گیا ہے۔

اس نقشے کے آٹھ خاص صوبوں کی ایک فہرست بنائیں۔

نقشہ-2 تقریباً سات سو سالوں کے بعد (سترہویں صدی کے نصف آخر میں) اورنگ زیب کی عظیم الشان حکومت کو دکھاتا ہے (اس کے بھی خاص صوبوں کی ایک فہرست بنائیں۔)

ان دونوں نقشوں کا جائزہ لینے پر آپ ان میں کیا فرق پاتے ہیں۔ تذکرہ کیجئے۔

عہد وسطیٰ کے ہندوستان کی معاشی زندگی خصوصی طور پر کھیتی پر منحصر تھی۔ کھیتی کے ساتھ ساتھ نچلے سطح پر بھی دیگر معاشی سرگرمیوں کے اشارے ملتے ہیں جس سے تجارت و کاروبار اور شہری زندگی کی رفتار رفتہ رفتہ بڑھنے لگی۔ اس میں سائنس اور ٹکنالوجی کی ترقی کا رول بھی بہت اہم تھا۔ پیداوار کے میدان میں آئی تکنیکی تبدیلیوں کے نتیجہ میں شہروں کی ترقی اور ان کی تعداد میں اضافہ ہو رہا تھا۔ لوگوں کے رہن سہن اور خیالات میں تبدیلیوں کی وجہ سے ہندوستان کے ساتھ ساتھ پوری دنیا کی ٹکنالوجی میں تبدیلی آرہی تھی۔ آیئے اب ہم مختلف علاقوں کی ٹکنالوجی میں آئی تبدیلیوں پر ایک نظر ڈالیں۔

آج سینچائی کے لیے کن کن ذرائع کا استعمال کیا جاتا ہے؟ اپنے استاد سے اس پر مذاکرہ کریں

جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ قدیم زمانے سے ہی کھیتی لوگوں کی آمدنی کا خاص ذریعہ رہی ہے۔ پہلے کھیتوں کو کھودنے کے لئے کدال یا پھاوڑا کا استعمال ہوتا تھا بعد میں پھر ہل کا استعمال ہونے لگا۔

کھیتی کی سینچائی کے لئے پانی حاصل کرنے کے کئی ذرائع تھے۔ بارش کے پانی کو بھی تالابوں اور گڈھوں میں جمع کر کے سینچائی کی جاتی تھی۔ کنوؤں سے بھی سینچائی کیا جاتا تھا۔ کنوئیں سے پانی نکالنے کے لئے کئی تکنیک اور مشین رائج تھے۔ پانی کو باہر نکالنے کے لئے ارگھٹ یا گھٹی نام کے مشین کا استعمال قدیم زمانے سے ہی ہوتا تھا۔ بعد میں پھر رہٹ کا استعمال ہونے لگا۔ رہٹ میں زنجیر لگی ہوتی ہے جو پانی کو گہرائی سے نکال پانا ممکن بناتی ہے، وہیں دانت والے پہیے جسے جانوروں کی طاقت کے استعمال اور زنجیر کی رفتار کو ٹھیک طرح سے قابو میں کرنے کے لئے ہوتے ہیں۔ (تصویر-1) آج بھی کئی گاؤں میں کہیں کہیں سینچائی کے لئے رہٹ کا استعمال آپ آسانی سے دیکھ سکتے ہیں۔

تصویر: 1 رہٹ

قدیم ہندوستان میں کپڑے کی صنعت کے میدان میں دھاگوں کی کتائی کے لئے صرف ہاتھ سے چلنے والے پہیے

تصویر 2 دھنیا

اور تکلی کا استعمال ہوتا تھا۔ بعد میں تیسری صدی کے آس پاس اس حلقے میں چرخے کا استعمال ہونے لگا۔ دھنیا کی کمان (دھنکی) بھی ممکن ہے کہ اسی زمانے میں ہندوستان میں آیا ہو۔ جہاں تکلی سے سوت کاتنے میں بہت وقت لگتا تھا۔ وہیں چرخے سے سوت کاتنے کی رفتار کافی تیز ہوگئی، جیسے جیسے چرخے اور دھنکی کا پرچار ہوتا گیا سوتی کپڑے کی افادیت اور پیداوار میں اضافہ ہوا۔

جیسا کہ آپ نے درجہ چھ میں پڑھا تھا کہ تحریر کے میدان میں ہمارے ملک کے لوگ زیادہ تر تاڑ کے پتوں کا استعمال کرتے تھے لیکن عہد وسطیٰ میں ترکوں کی آمد کے ساتھ تحریر میں کاغذ کا کافی استعمال ہونے لگا۔ سب سے پہلے کاغذ 100ء کے آس پاس چین میں بنایا گیا تھا۔ اپنے ملک میں کاغذ کا استعمال تیرہویں صدی کے آس پاس شروع ہوا جس سے علم اور تعلیم کے فروغ میں کافی اضافہ ہوا۔ کاروباری لین دین میں بھی کافی آسانیاں ہوئیں۔ اس دور کی تخلیقات آج بھی مخطوطات کی شکل میں محفوظ ہیں۔

تصویر 3 چرخہ

تیرہویں صدی کے آس پاس سائنس کے میدان میں سمندری جہازوں پر مقناطیسی قطب نما (سمت بتانے والی مشین) کا استعمال ہوا۔ اس نئے ایجاد کا سمندری تجارت پر اچھا اثر پڑا اور سمندری سفر کرنے میں آسانی ہوئی۔ دوسرا خاص ایجاد تھا وقت بتانے والی مشین کا ایجاد۔ چودہویں صدی میں سلطان فیروز شاہ نے (باب-3 میں اس کے بارے میں آپ تفصیلی شکل میں پڑھیں گے) فیروز آباد (دہلی میں) ایک مینار پر پتھر گھڑیوں، ایک دھوپ گھڑی اور ایک پانی گھڑی بھی لگوائی

تھی جس سے وقت کی صحیح اطلاع دی جاتی تھی۔ اسی زمانے میں اسطرلاب نام کے ایک نئے مشین کا استعمال شروع ہوا جس سے سفر اور مکان کی تعمیر وغیرہ میں سہولت ہوئی۔

لڑائی کے میدان میں گھوڑ سوار فوجیوں کی سہولت کے لئے دو اہم ایجادیں اسی زمانے میں ہوئیں۔ پہلی ایجاد تھی لوہے کی رکاب جس سے فوجیوں کو گھوڑے پر جم کر بیٹھنے میں سہولت حاصل ہوئی۔ اس کے استعمال سے میدان جنگ میں حملے کا طریقہ اور زیادہ کارگر ہو گیا۔ دوسرا ایجاد لوہے کے نعل کا تھا۔ جو گھوڑے کی کھڑ میں لگائی جاتی تھی۔ نعل لگانے کے دو فائدے تھے۔ پہلا یہ کہ اس سے نرم زمین پر گھوڑے کے پاؤں کو اچھی پکڑ حاصل ہوتی تھی اور دوسرا سخت زمین پر کھر محفوظ رہتے تھے۔ ہندوستان میں ان دونوں ایجادوں کا رواج نوی صدی کے بعد سے ہوا جس کے نتیجہ میں جنگی پالیسی میں کافی تبدیلیاں ہوئیں لیکن بڑے پیمانے پر اس کا استعمال ترکوں کی آمد کے بعد ہی ممکن ہو سکا۔

انسانی زندگی کو بہتر اور ترقی یافتہ بنانے کے لئے سائنس کے اصولوں پر ایجاد کردہ کل پرزوں اور مشینوں کے عملی استعمال (کھیتی اور کل کارخانے وغیرہ) کو ٹکنالاجی کہتے ہیں۔

نئی ٹکنالوجی اور نیا زاویہ فکر لانے میں ہندوستان کے باہر سے آئے لوگوں کی بھی بڑی خدمات ہیں۔ جیسا کہ آپ جانتے ہیں قدیم زمانے سے ہی اس برصغیر کے لوگ تجارت کرنے ہندوستان آتے تھے، ایسے میں تاجروں کی ایک جماعت عرب کے جزائر سے مغربی ساحل سے ہوکر ہندوستان آئے۔ رفتہ رفتہ ان میں سے کچھ تاجروں نے یہاں رہنا شروع کر دیا۔ عرب کے لوگوں نے آٹھویں صدی میں سندھ پر اپنی حکومت بھی قائم کر لی۔

کیا وجہ رہی ہوگی کہ ہندوستان ماضی سے ہی دنیا کے لوگوں کے لئے توجہ کا مرکز رہا ہوگا؟

انہیں عرب کے لوگوں کے ذریعہ ہندوستان میں ایک نئے مذہب ''اسلام'' کی آمد ہوئی۔ اسلام مذہب کے ماننے والوں کا عقیدہ یہ ہے کہ ایک ہی ایشور ہے جسے ہم اللہ کہتے ہیں۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے پیغمبر یعنی اللہ کا پیغام لانے والے ہیں۔ اسلام مذہب کے ماننے والوں کو مسلمان کہتے ہیں۔ مسلمان قرآن شریف کو اپنا مذہبی کتاب اور رہنما مانتے ہیں۔

> —عہد وسطیٰ کے کون کون سی کھانے کی چیزیں ہم آج بھی کھاتے ہیں؟
>
> —اس دور میں عام لوگ کیا پہنتے ہوں گے؟

عرب کے لوگ اپنے ساتھ اپنے یہاں کے رسم و رواج، لباس، خوراک وغیرہ بھی لے کر آئے۔ ان کے اہم پکوانوں میں پلاؤ، بریانی، قورمہ اور فرنی وغیرہ خاص ہیں۔ بعد میں چل کر یہی نئے اثرات ترک، افغان اور مغل بھی یہاں لے کر آئے۔ یوروپ کے تاجروں نے بھی کچھ نئے سامان اس ملک میں لائے۔ آپ پائیں گے کہ آج استعمال میں آنے والے ان کے کھانے پینے کی چیزیں جیسے پلاؤ، بریانی، قورما، فرنی، انگور، آلو، مکئی، مرچ، چائے اور کافی کا رواج اسی زمانے میں ہوا۔ عربوں کے اثرات ہندوستان کے سرحدی اور ساحلی علاقوں تک محدود رہے۔

> ویسی چیزوں کی فہرست بنائیں، جنہیں ہون میں ڈالا جاتا ہے۔

اس تعلق سے علم، سائنس اور خیالات کے سطح پر محدود تبادلہ ہوا۔ بعد میں چل کر ترک، افغان، ایرانی اور مغل اس ملک میں داخل ہوئے اور ہندوستان میں مستقل طور پر صوبے قائم کئے۔ ان کے آنے سے معاشرتی، تہذیبی اور دانش ورانہ زندگی میں زیادہ دوررس اور وسیع اثرات مرتب ہوئے۔ ان سے ہماری زبان، رہن سہن، لباس، رسم و رواج وغیرہ بھی متاثر ہوئے اور ان

> ہندو مذہب میں دیوی دیوتاؤں کے متعلق عقیدہ کے اظہار کرنے کے الگ الگ طریقے کو فرقہ کہتے ہیں۔

میں ایک مخلوط روایات کی ترقی ہوئی اسے ہی گنگا جمنی تہذیب کہتے ہیں۔اس سلسلے میں تفصیل سے آپ آئندہ ابواب میں پڑھیں گے۔

بھکتی سنتوں کے ویسے دوہوں پر مذاکرہ کریں جنہیں آپ نے ہندی کی کتاب میں پڑھا ہے۔

کیا آپ کو اپنے گاؤں میں گنگا جمنی تہذیب کی جھلک دیکھنے کو ملتی ہے؟

مشہور دانش ور سید سلیمان ندوی نے ہندوستان میں بسے ہوئے عرب کے ایک شاعر ابوضلعہ سندھی کے ایک عربی گیت کا ترجمہ کیا ہے جس میں وہ ہندوستان کی دل کھول کر تعریف کرتا ہے۔

''میرے دوستوں نے نہیں مانا اور ایسی حالت میں یہ بات ٹھیک نہیں تھی جبکہ ہندوستاں کی اور جنگ میں ہندوستان کے تیروں کی تعریف ہو رہی تھی۔''

''اپنے جانوں کی قسم، یہ وہ سرزمین ہے جب اس میں پانی برستا ہے تب اس سے ان لوگوں کے لئے دودھ، موتی اور لعل اگتے ہیں جو آرائش سے پاک ہے۔''

''اس کی خاص چیزوں میں کستوری، کپور، عنبر، اگربتی اور مختلف قسم کے خوشبودار چیزیں ان لوگوں کے لئے ہیں، جو گندے ہوں۔'' ''اور طرح طرح کے عطر جائپھل، سنبل، ہاتھی دانت، ساگوان کی لکڑی اور چندن ہیں اور یہاں کے شیر ببر، چیتے، ہاتھی اور ہاتھی کے بچے ہوتے ہیں۔'' ''یہاں کے پرندوں میں کلنگ، طوطے اور کبوتر ہیں۔ درختوں میں یہاں ناریل، آبنوس اور سیاہ مرچ کے درخت ہیں۔''

''اور اسلحوں میں تلواریں ہیں جن کو صیقل کی ضرورت نہیں ہوتی ہے۔ یہاں ایسے بھالے ہیں کہ جب وہ حرکت کرے تو فوج کی فوج ہل جائے۔ تو کیا احمق کے سوا کوئی اور بھی ایسا ہے جو ہندوستان کے ان اوصاف سے انکار کرسکتا ہے۔''

اس زمانے میں مقامی مذہب میں بھی کافی تبدیلی آگئی۔ اس ملک کے بہت سارے لوگ ہندو مذہب کو مانتے ہیں،

ہندو مذہب کو ماننے والے لوگ بہت سارے دیوی دیوتاؤں کی پوجا کرتے ہیں۔ انہیں کئی طریقوں سے پوجتے ہیں۔ کبھی کبھی آگ کے کنوئیں میں ہون کرتے ہیں اسے جگیہ بھی کہتے ہیں۔

عہد وسطیٰ میں ہندو مذہب میں بھی کئی تبدیلیاں دیکھنے کو ملیں۔ یوں تو ہندوستان میں ہر جگہ ہندو مذہب ماننے والے لوگ اکثر و بیشتر شیو، وشنو، رام اور کرشن جیسے دیوتاؤں کو مانتے ہیں لیکن اس دور میں دعا ومنتر خیالات کے ماننے والے شیومت کی ایک شاخ کی شکل میں ابھرا اس میں کھوپڑی اختیار کرنا اور کھوپڑی میں ہی کھانا کھانے کی روایت تھی۔

سرکاری کاغذات کا محافظ خانہ (آرکائیو)

ایسی جگہ جہاں دستاویزوں اور مخطوطات کو ذخیرہ کیا جاتا ہے۔ آج تمام قومی اور صوبائی حکومتوں کے اپنے آرکائیو ہوتے ہیں، جہاں وہ اپنے تمام پرانے سرکاری دستاویز اور لین دین کی تفصیلات کا رکارڈ رکھتے ہیں۔

فرمان

جیسا کہ آپ کو یاد ہوگا گپت عہد حکومت میں وشنو فرقہ تقریباً پورے ملک میں پھیل چکا تھا۔ اپنی رواداری فطرت اور وشنو کے اوتار کی شکل میں دنیاوی دیوتاؤں کی پوجا کی وجہ سے یہ فرقہ بہت مقبول ہوا اس میں کرشن کے راس لیلا کی بڑی اہمیت ہے۔

گپت عہد حکومت میں ماں دیوی کی پوجا مکمل طور سے اعتبار حاصل کر چکی تھی۔ پاروتی، لکشمی، درگا، سری کالی وغیرہ مختلف شکلوں میں قوت کی علامت کے طور پر رائج تھیں۔ ساتویں صدی سے اس پوجا میں تنتر منتر کا میلان بڑھنے لگا۔ تنتر منتر کے تحت دھیان یوگ پوجا اور مختلف قسم کے اعمال کا انتظام ہے۔

اس کے علاوہ اس دور میں معاشرے میں برہمنوں کی عزت میں اضافہ ہوا۔ بادشاہوں کے ذریعہ بڑے بڑے

دستاویز

مندروں کی تعمیر میں دلچسپی بڑھنے لگی۔ جنوبی ہندوستان کے چولی حکمراں اپنے شاندار مندروں کی تعمیر کے لئے جانے جاتے ہیں۔ (اس کے بارے میں آپ باب-2 میں پڑھیں گے۔

اس دور میں ایک اہم تبدیلی عقیدت کے تصور کی شکل میں ہوئی۔ ہندوستان میں اس نظریہ کے کئی صوفی سنت ہوئے جن کا نام ہم لوگ آج بھی سنتے ہیں۔ کبیر داس، نانک اور رامانند وغیرہ بھکتی کے مشہور شاعر تھے۔ ان کے دوہے آج بھی آپ عام آدمی کے ذریعہ سنتے ہوں گے اور ہندی کی کتابوں میں پڑھتے ہوں گے۔ ان لوگوں نے اس بات کو سمجھانے کی کوشش کی کہ بغیر کسی ظاہری نمائش کے محبت، بھائی چارہ اور عقیدت کے ذریعہ خدا کے قریب پہنچا جاسکتا ہے۔ ان بھکت سنتوں کی طرح کئی مسلمان صوفی بھی تھے جو صوفی سنت کہلائے۔ صوفیوں نے اس بات پر زور دیا کہ سچے دل سے اللہ سے محبت کرنا، مال و دولت اور عہدوں کی قربانی دے کر غریبوں اور مجبوروں کی خدمت کرنا ہی مذہب ہے۔

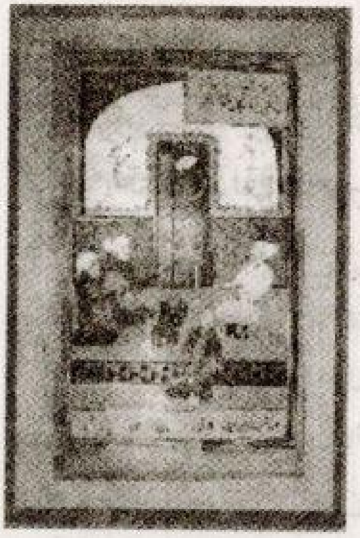

بہار کے مشہور ہندی بھکت شاعروں میں دریا صاحب کا نام بھی قابل ذکر ہے۔ ان کی پیدائش شاہ آباد ضلع کے ایک مسلمان گھرانے میں ہوئی تھی۔ پٹنہ ضلع کے منیر کے مشہور صوفی بزرگ حضرت شرف الدین احمد یحییٰ منیریؒ اپنے وقت کے مشہور صوفی بزرگ تھے (ان کے بارے میں خاص طور سے آپ باب-9 میں پڑھیں گے۔

نئے معاشرتی اور سیاسی جماعتوں کا طلوع

ابھی آپ نے دیکھا کہ عہد وسطیٰ میں زندگی کے مختلف حلقوں میں تبدیلیاں پیش آئیں۔ ان تبدیلیوں نے لوگوں کے معاشرتی، تہذیبی اور اقتصادی زندگی کو متاثر کیا۔ معاشرتی اور سیاسی سطح پر کئی

فرقے وجود میں آ گئے۔ اسی دور میں راجپوتوں نے ہندوستانی تاریخ میں ایک نئی طاقت کی شکل میں اپنا داخلہ درج کرایا۔ راجپوت کون تھے اور کہاں سے آئے اس میں مورخین کا اختلاف ہے۔ لفظ راجپوت کے تحت صرف بادشاہ اور امراء و نواب ہی نہیں بلکہ سپہ سالار اور عام فوجی بھی آتے تھے۔ ایک دیگر فرقہ شاعر اور چارن کا تھا جو بادشاہوں کی شجاعت، ان کی مہربانی اور فتوحات کی تعریف و توصیف بیان کرتا تھا۔ اس دور میں پیدا ہونے والے مختلف ذاتِ معاشرتی حلقے میں اب بھی متحرک ہیں۔ بادشاہوں کے درباروں میں خاص طور سے لکھنے پڑھنے کا کام کرنے والی کائستھ قوم بھی اسی دور میں منظر عام پر آئی۔ اس کے علاوہ سکھ اور جاٹ وغیرہ فرقے بھی سیاسی نقطۂ نظر سے بہت اہم ثابت ہوئے۔

اسی زمانے میں بہت سے آدیباسی قبیلے بھی منظر عام پر آئے جس میں چیرو خاندان کے حکمراں مشہور تھے۔ ان چیروں نے شاہ آباد، سارن، چمپارن، مظفر پور اور پلاموں ضلعوں میں مستحکم حکومت کی بنیاد ڈالی۔ تقریباً تین سو سالوں تک اس علاقے میں ایک طاقت ور شاہی خاندان کی شکل میں انہوں نے اپنی موجودگی درج کرائی۔ چین پور (شاہ آباد ضلع) پر باگھ مل نام کے ایک چیرو سردار کا قبضہ تھا۔ جس کے دو بیٹے چاند اور منڈ اس علاقے کے چانڈیشوری اور منڈیشوری نام کے مندروں کی عوامی کہانیوں سے جڑے ہیں۔

اقتصادی اور معاشرتی تبدیلیاں

ٹکنالوجی میں تبدیلیوں کے نتیجہ میں کھیتی کے لائق زمین کی تلاش ہو رہی تھی۔ جنگلوں کو کاٹا جا رہا تھا۔ جنگلوں میں رہنے والے جانوروں کو جنگل چھوڑنا پڑ رہا تھا۔ کچھ جنگل کے باشندے جنگلوں کو کھیتی کے لائق زمین بنانے میں مصروف ہو گئے اور وہ کسان بن گئے۔ رفتہ رفتہ ان کی زندگی میں الجھنیں آنے لگیں۔ کسانوں کی یہ نئی جماعت، علاقائی بازار، مکھیاؤں، پجاریوں مٹھوں اور مندروں سے متاثر ہونے لگی۔ کسانوں کے درمیان معاشرتی اور اقتصادی فرق نظر آنے لگا۔ ان کے درمیان اونچ نیچ کے جذبات فروغ پانے لگے۔ وہ ذات پات میں تقسیم ہونے لگے۔ یہ ذاتیں اپنے آپ ہی اپنا اصول بناتی تھیں اور ان اصولوں پر بڑے بزرگوں کی مجلس عمل کرواتی تھیں۔ جسے پورے علاقے میں ذات کا پنچایت کہا جاتا ہے۔

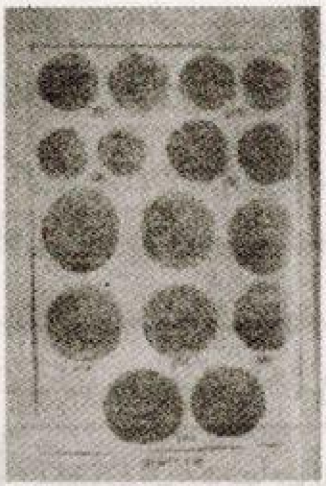

تاریخی ذرائع (تاریخ کو سمجھنے کے ذرائع)

مؤرخین ماضی کے واقعات کا مطالعہ کرتے ہیں اور اس کام میں مختلف ذرائع کا استعمال کرتے ہیں۔ایسے تمام اسباب ذرائع کہلاتے ہیں۔پچھلے درجہ میں بھی آپ نے تاریخی ذرائع کے بارے میں ایک عام رائے بنائی تھی۔

ان ذرائع میں تحریری تخلیقات یا مخطوطات، دستاویز، سکے کوئی قدیم سامادہ تصاویر وغیرہ شامل ہیں۔ زمانہ قدیم کے مقابلے میں عہد وسطیٰ میں ان ذرائع کی تعداد میں اضافہ ہوا اور ان میں تضادات بھی آنے لگے۔لیکن تحریری سامانوں کو زیادہ اعتبار حاصل رہا۔جیسا کہ آپ جان چکے ہیں کہ تیرہویں صدی سے ہندوستان میں کاغذ کا استعمال وسیع پیمانے پر ہونے لگا تھا۔

اس دور میں لکھے گئے مخطوطات اور انتظامی امور سے متعلق دیگر دستاویز آرکائیو اور کتب خانوں میں محفوظ ہیں۔

سکوں کے مطالعہ کو نیومیس میٹکس کہتے ہیں۔

چند تاریخی ذرائع کو یاد کریں جس کے بارے میں آپ نے پچھلے درجہ میں ایک سمجھ قائم کیا تھا۔

اس دور کے مختلف واقعات کی جانکاری ہمیں دستاویزوں سے حاصل ہوتی ہیں۔ دستاویز اکثر پتھر، چٹانوں اور (تامرپتروں) تانبے کی تختی پر لکھے گئے تھے۔ ہمارے ملک کے بہت سارے مندروں، مسجدوں اور گاؤں میں آج بھی اس طرح کے دستاویز موجود ہیں۔

بہار کے منیر تامر پتر (تانبے کی تختی) سے تروشک ڈنڈ نام کے ٹیکس کی جانکاری ملتی ہے۔

اس دور کے ذرائع میں مخطوطات کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے۔اس سے متعلقہ عہد کی تاریخ کو جاننے میں مدد ملتی ہے۔مخطوطات ہاتھ سے لکھے ہوئے سامان میں جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ ابتداء میں تاڑ پتروں پر یہ لکھی جاتی تھیں،

بعد میں کاغذ پر لکھی جانے لگی۔ رفتہ رفتہ کاغذ سستا ہوتا گیا اور بڑے پیمانے پر دستیاب بھی ہونے لگا۔ اس دور میں آپ پاتے ہیں کہ مصدقہ تحریری مواد کی تعداد اور تضادات حیرت انگیز طور پر بڑھنے لگی۔ یہ مخطوطات مختلف زبانوں میں ہیں جن کا ہم آج استعمال کرتے ہیں۔

فرمان بادشاہ کے ذریعہ جاری کئے گئے حکم نامہ کو کہتے تھے۔ اس طرح کے زیادہ تر حکم نامے زمین کے عطیہ سے متعلق تھے۔ پیش کردہ فرمان جو اورنگ زیب کے دور حکومت سے متعلق ہے۔ شیخ فیض اللہ نام کے ایک شخص کو عطا کیا گیا تھا جس میں واضح حکم ہے کہ اس علاقے کی مکمل قابل کاشت اور دیگر زمین اور اس سے حاصل شدہ خراج اور دیگر پیداوار پر شیخ فیض اللہ کے نسل کا قبضہ ہوگا اور اس کی موت کے بعد ان کے وارثوں کا ہوگا۔

اس فرمان سے جاگیروں کو خاندانی بنانے کا اہم ثبوت حاصل ہوتا ہے۔

ان دنوں چھاپے خانے نہیں تھے اس لئے کلرک یا نقل نویس ان مخطوطات کی نقل تیار کرتے تھے۔ وقت کے گذرنے کے ساتھ ان نقلوں کی بھی نقلیں بنتی چلی گئیں جو مقابلتاً ایک دوسرے سے کافی مختلف ہونے لگیں۔

جدید پٹنہ میں واقع خدا بخش اورینٹل لائبریری عہد وسطی کے ہندوستانی تاریخ کو جاننے اور سمجھنے کے لئے اہم ذرائع کا مرکز ہے۔ اس میں عربی اور فارسی میں لکھی علوم اور سائنس سے متعلق ایسی کتابیں ہیں جس سے عہد وسطی کی تاریخ اور تہذیب کے بارے میں بنیادی جانکاری حاصل ہوتی ہے۔

اس زمانے کی کئی کتابیں مع تصویر ہوتی تھیں۔ یہ تصاویر اکثر کتاب کے پورے صفحے پر چھوٹے چھوٹے تصویروں کی شکل میں سجے ہوتے تھے۔ ان چھوٹے تصاویر کو (Miniature) کہتے ہیں۔ چھوٹے تصاویر کو مغل دربار اور اتری دکھنی ہندوستان کے راجپوت بادشاہوں کے دربار میں (اہم مقام حاصل ہوا۔ ان تصاویر میں زیادہ تر شاہی دربار، شکار اور میدان جنگ کی تصویر کشی ہوتی تھی۔

اس دور میں مختلف ادبی کتابوں کی تخلیق بھی ہوئی۔ کلہن کی ''راج ترنگی'' اس عہد کی پہلی تاریخی تخلیق ہے جس میں

کشمیر کی تاریخ کا بیان ہے۔ البیرونی کی کتاب تحقیق ہند (تاریخ الہند) کے زمانے میں معاشرہ، مذہب اور رسم ورواج وغیرہ پر تفصیلی اور مصدقہ بیانات ملتے ہیں۔ منہاج سراج کی لکھی ہوئی ''طبقات ناصری'' میں محمد غوری اور غلام خاندان کی حکومت پر تفصیلی تذکرہ ہے۔ ضیاء الدین برنی کی کتاب ''تاریخ فیروز شاہی'' میں تعلق خاندان کے سیاسی واقعات انتظام حکومت اور معاشرتی حالات کا بیان ہے۔ ابوالفضل کے اکبر نامہ میں اکبر کے دور حکومت کا انتظام اور سیاست کا نقشہ ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی کئی کتابیں اس دور کی جانکاری کے اہم ذرائع ہیں۔

نامہ— نامہ لفظ عام طور سے ان تاریخی تخلیقات کے عنوان میں شامل ہے جو مغلیہ عہد کے درباری کی سرپرستی میں لکھی گئی۔ اس روایت کا آغاز اکبر کے زمانے میں ابوالفضل کے اکبر نامہ سے ہوتا ہے۔

یادداشتیں— کسی عقیدت مند (بھگت) کے زندگی کی ان باتوں کا بیان ہے جو اسے یاد رہتی ہیں وہ اپنی دلچسپی اور موقع ومحل کے مطابق اسے پیش کرتا ہے۔

ہندوستان کے تناظر میں مغل حکمراں بابر نے اپنی خودنوشت ''توزک بابری'' ترکی زبان میں لکھی جس کا فارسی ترجمہ ''بابر نامہ'' کہلاتا ہے۔ اس نے اپنے لڑکپن کے واقعات، جنگوں، یہاں کے اہم ترین حکمرانوں اور ان کے آپسی تعلقات، یہاں کے لوگوں کی رہائش، آب وہوا، جغرافیہ وغیرہ کے بارے میں جاندار تصویر کشی کی ہے۔ اس نے اپنے والد عمر شیخ مرزا کا بیان کچھ اس انداز سے کیا ہے:-

''وہ قد میں چھوٹے تھے ان کی داڑھی گول اور چہرہ بھرا پرا تھا اور وہ موٹے تھے۔ ان کا چغہ اتنا تنگ رہتا تھا کہ اس کی ڈوریوں کو باندھنے کے لئے انہیں اپنا پیٹ اندر چپکانا پڑتا تھا۔ اگر وہ پیٹ کو ڈھیلا چھوڑ دیتے تو اکثر چغے کے بند ٹوٹ جاتے، وہ پوشاک اور بول چال دونوں لحاظ سے کھرے تھے۔''

سیاحوں کے سفرنامے بھی اس دور کے تاریخ کے مطالعہ میں معاون ہیں۔ اس میں سب سے مشہور تخلیق ابن بطوطہ کا

سفرنامہ ہے جسے عام طور سے احلہ کہا جاتا ہے۔ابن بطوطہ مراقش (Moracco) کا باشندہ تھا۔عالمی سفر کے دوران وہ محمد بن تغلق (محمد بن تغلق کے بارے میں آپ تفصیل سے باب 3 میں پڑھیں گے) کے دورحکومت میں ہندوستان آیا اور تقریباً چودہ سالوں تک یہاں قیام کیا۔اس مدت کے دوران اس نے یہاں کے معاشرتی اقتصادی اور حکومتی انتظام پر تفصیل سے روشنی ڈالا ہے۔

سکوں کی مدد سے بھی حکمراں کے تاریخی تسلسل کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ یہ سکے سونا چاندی اور تانبا وغیرہ کے بنے ہوتے تھے۔ان سکوں سے حکمرانوں کے تاج پوشی، حکومت کی توسیع اور پڑوسی حکمرانوں کے ساتھ تعلقات اور ان کے معاشی خوشحالی کے بارے میں پتہ چلتا ہے۔تغلق حکمرانوں خصوصاً محمد بن تغلق کے سکّے بڑی تعداد میں ملتے ہیں۔اپنے صوبہ میں سہسرام کے حکمران شیر شاہ سوری نے چاندی کے سکّے چلائے۔اسے آپ آج بھی میوزیم میں جا کر دیکھ سکتے ہیں۔

اس دور کے حکمرانوں کے دورحکومت میں (تعمیر شدہ) بنے ہوئے کئی عظیم الشان مندروں، مسجدوں، مقبروں اور قلعوں سے اس دور کے مذہبی زندگی، معاشی خوشحالی اور فن تعمیر کی جانکاری ملتی ہے۔ان میں سے کئی عمارتوں جیسے دلی کا لال قلعہ، آگرے کا تاج محل اور کھجوراہو کے مندروں کو آپ آج بھی دیکھ سکتے ہیں۔

اس دور میں بہار کے فن تعمیر کی تاریخ بھی یاد رکھنے کے لائق ہیں۔سہسرام (روہتاس ضلع) میں واقع شیر شاہ کا مقبرہ ہندو۔مسلم کے فن کے اختلاط کا ایک خوبصورت نمونہ ہے۔

منیر میں مخدوم شاہ دولت کا مقبرہ بھی ایک اعلیٰ درجہ کے فن کی مثال پیش کرتا ہے۔

عہد وسطی میں بہار میں تعمیر شدہ مندروں میں پٹنہ سے اٹھارہ میل کی دوری پر واقع ویکٹ پور کا شیو مندر جس کے لئے راجا مان سنگھ نے معاشی مدد دی تھی وہ مشہور ہے۔روہتاس گڑھ میں تعمیر شدہ ہریش چندر مندر کی تعمیر کا سہرا بھی راجا مان سنگھ کے سر جاتا ہے۔

مؤرخین کا رول

ذرا غور فرمائیے تاریخ نویسی میں مؤرخین ان ذرائع کی مدد کس طرح لیتے ہیں۔مؤرخین ان ذرائع کی مدد سے بغیر

کسی تفریق کے ایک تسلسل کے ساتھ ایک متفقہ سمجھ بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ گذرے ہوئے زمانے کے بارے میں کبھی کبھی مئورخین کو بھی عجیب وغریب حالات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ خاص کر جب کسی ایک ہی شخص یا واقعہ کے تناظر میں الگ الگ رائے رکھتے ہیں۔

آیئے اسے ایک مثال کے ذریعہ سمجھنے کی کوشش کریں۔ 1328ء میں دلی کے سلطان محمد تغلق نے اچانک ایک فرمان جاری کیا۔ اس نے دلّی کے باشندوں کو حکم دیا کہ وہ دلّی سے دور دکھن میں دولت آباد جا کر بسیں۔ اس وقت کے دو مئورخین ضیاء برنی اور اعصامی نے سلطان کے راجدھانی تبدیلی کے واقعہ کو اپنی اپنی کتابوں میں لکھا ہے۔

ضیاءالدین برنی

ضیاءالدین برنی نے اپنی کتاب تاریخ فیروز شاہی میں لکھا ہے:-

''سلطان کے دل میں ایک منصوبہ آیا کہ دولت آباد کو راجدھانی بنایا جائے۔ یہ اس لئے کیونکہ دولت آباد اس کی حکومت کے بیچ میں ہے۔ دہلی، گجرات، لکھنوتی، تلنگ، مابر، دوار سمندر اور کمپلا، اس شہر سے الگ بھگ برابر دوری پر واقع ہیں۔ اس سلسلے میں اس نے کسی سے مشورہ نہیں کیا۔ اس نے حکم دیا کہ اس کی اپنی ماں اور حکومت کے سارے بڑے افسران اور سپہ سالار اپنے ماتحتوں اور معتبر لوگوں کے ساتھ دولت آباد کی طرف چلیں۔ دربار کے ہاتھی۔ گھوڑے، خزانہ اور قیمتی سامان دولت آباد بھیج دی جائیں۔ اس کے بعد صوفی سنت وعلماء (اسلامی کتابوں کے دانش ور) اور دہلی شہر کے معزز اور مشہور لوگ دولت آباد بلائے گئے۔ جو لوگ دولت آباد گئے انہیں سلطان نے کافی مال و دولت انعام میں دیا۔ ایک سال بعد سلطان دہلی لوٹا۔ اس نے حکم دیا کہ دہلی اور آس پاس کے قصبوں کے باشندوں کو قافلوں کی شکل میں دولت آباد بھیج دیا جائے۔ دہلی والوں کے گھر ان سے قیمت دے کر خرید لیا جائے اور رقم کو دولت آباد جانے والوں کو دے دیا جائے تاکہ وہ وہاں جا کر اپنا گھر بنوالیں۔ شاہی فرمان کے مطابق دلی اور اس کے آس پاس کے باشندے دولت آباد کی طرف بھیج دیئے گئے۔ اس طرح دہلی شہر خالی ہوگیا۔ کچھ دنوں تک دلی کے سارے دروازے بند رہے، یہاں تک کہ شہر میں کتے، بلی تک نہیں تھے۔ دہلی کے باشندے جو سالوں سے وہاں رہتے چلے آرہے تھے۔ طویل سفر کی تکلیف سے راستے میں مرگئے۔ بہت سے وہ لوگ جو دولت آباد تو پہنچ

گئے لیکن مادرِ وطن سے جدائی کا غم برداشت نہیں کر سکے وہ واپسی کی تمنا میں مر گئے۔ اگرچہ سلطان نے دہلی سے جانے والی عوام کو بہت زیادہ انعام دیا لیکن اپنے وطن سے باہر کے تکالیف کو برداشت نہیں کر سکے۔

اس کے بعد دوسرے صوبوں سے عالموں، صوفیوں اور معزز لوگوں کو لا کر دہلی میں بسایا مگر اس طرح کے لوگوں کو لانے سے دہلی آباد نہ ہو سکی۔

''تقریباً چھ۔سات سالوں کے بعد سلطان نے حکم دیا کہ جو بھی دہلی لوٹنا چاہتا ہے وہ لوٹ سکتا ہے۔ کچھ لوگ لوٹ گئے مگر بہت سے خاندان دولت آباد میں ہی بس گئے۔''

اعصامی

اعصامی نے اپنی کتاب ''فتوح السلاطین'' میں لکھا۔

سلطان کو دہلی والوں پر شبہہ تھا اور وہ ان کے لئے دل میں زہر چھپا کے رہتا تھا۔ اس نے خفیہ طور سے ایک منصوبہ بنایا کہ ایک مہینہ میں دہلی کو تباہ کر دیا جائے۔ اس نے اعلان کر دیا کہ جو کوئی سلطان کا خیر خواہ ہے وہ دولت آباد کی طرف روانہ ہو جائے جو کوئی اس حکم پر عمل کرے گا اسے زیادہ سے زیادہ دولت دی جائے گی اور جو کوئی اس حکم پر عمل نہیں کرے گا اس کا سر کاٹ ڈالا جائے گا۔''

اس نے حکم دیا کہ دہلی میں آگ لگا دی جائے اور تمام لوگوں کو شہر سے باہر کر دیا جائے۔ پردہ نشیں خواتین اور گوشہ نشین صوفیوں کو ان کے گھروں سے بال پکڑ کر نکالا گیا، اس طرح وہ لوگ دہلی سے نکل گئے۔

میرے دادا بھی اسی شہر میں رہتے تھے۔ ان کی عمر 90 سال تھی اور وہ گوشہ نشین صوفی تھے۔

وہ کبھی اپنے گھر سے نہیں نکلتے تھے۔ وہ پہلے مرحلے میں ہی مر گئے، انہیں وہیں دفن کر دیا گیا۔

تمام بوڑھے، جوان، عورت اور بچے سفر کرنے پر مجبور تھے۔ بہت سے بچے دودھ کے بغیر مر گئے۔ بہت سے لوگ پیاس کی شدت سے مر گئے۔ اس قافلے میں سے سفر کی تکالیف کو برداشت کرتے ہوئے دس فیصد لوگ ہی دولت آباد پہنچ سکے۔ اس طرح سلطان نے ایک بسے بسائے شہر کو برباد کر ڈالا۔

جب دہلی میں کوئی نہیں رہ گیا تو شہر کے تمام دروازے بند کر دیئے گئے، کہا جاتا ہے کہ کچھ عرصہ بعد اسی دوران اس ظالم بادشاہ نے قریبی گاؤں کے لوگوں کو بلا کر دلّی کو آباد کروایا۔ طوطوں اور بلبلوں کو باغ سے نکال کر کوؤں کو بسا دیا۔

نہ جانے سلطان کو کس طرح ان بے قصور لوگوں پر شبہہ پیدا ہو گیا کہ اس نے ان کے مورثوں کی بنیاد کو اکھاڑ ڈالا اور آج تک ان کی اولادوں کی بربادی میں مصروف ہے۔''

آپ کے ذہن میں یہ بات آگئی ہوگی کہ محمد تغلق کے منصوبہ کے بارے میں کچھ باتیں ایسی ہیں جنہیں ضیاء الدین برنی اور اعصامی دونوں مؤرخ اتفاق رکھتے ہیں جیسے سلطان نے لوگوں کو دلّی سے دولت آباد جانے کا حکم دیا۔

لیکن دہلی سے دولت آباد جانے کے واقعہ کے بارے میں برنی نے کئی ایسی باتیں بھی لکھی ہیں جو اعصامی نہیں لکھتا ہے۔ جیسے برنی لکھتا ہے کہ سلطان اپنی حکومت کی راجدھانی ملک کے بیچوں بیچ بنانا چاہتا تھا اس لئے اس نے لوگوں کو دولت آباد بھیجا۔

لیکن اعصامی کے مطابق سلطان کے دل میں ایسا خیال نہیں تھا۔ اعصامی کے مطابق سلطان لوگوں کو تکلیف دینا چاہتا تھا اس لئے اس نے دہلی خالی کروائی۔

''یہ ہمارے لئے پریشانی کی بات ہے۔ اب ہم یہ کیسے جانیں کہ سلطان کے دل میں حقیقت میں کیا خیال تھا؟ اس سلسلے میں ہم یقینی طور سے کچھ نہیں کہہ سکتے ہیں۔ ہمارے سامنے اس طرح کی دشواری بار بار آتی ہے۔ جو باتیں دونوں مؤرخ لکھتے ہیں ان کے بارے میں تو ہم سوچ سکتے ہیں کہ وہ ضرور پیش آتی ہوں گی لیکن جو باتیں ایک ہی شخص کہہ رہا ہے ان کے بارے میں ہم فوری طور پر کچھ نہیں کہہ سکتے ہیں کہ وہ یقینی طور پر ہوئی ہوں گی۔''

گذرے ہوئے زمانے کے بارے میں جب کوئی مؤرخ آج لکھتا ہے تو وہ اکثر اس طرح کی دشواریوں کا سامنا کرتا ہے۔ گذرے ہوئے زمانے کے بارے میں کچھ باتیں تو پختہ طور پر کہی جا سکتی ہیں لیکن بہت سی باتوں کے بارے میں یقینی طور سے کچھ نہیں کہا جا سکتا ہے۔ ان حالات میں مؤرخین دیگر ذرائع کو استعمال کرتے ہیں۔

وقت کے ساتھ تواریخ کو سمجھنا

مورخ تاریخ (ماضی) کو سمجھنے کے لئے اسے ایک طرح کی خصوصیت والے کچھ بڑے بڑے حصوں یا زمانے میں بانٹ دیتے ہیں۔ پچھلے درجہ میں آپ نے جو تاریخ پڑھی تھی اس میں قدیم معاشرے کے کئی قسموں کا امتزاج ہے۔ اس درجہ میں جو تاریخ آپ پڑھیں گے اسے عام طور سے عہد وسطیٰ کی تاریخ کہا جاتا ہے۔ ہم نے آٹھویں صدی عیسوی کو عہد وسطیٰ کی ابتداء اور اٹھارہویں صدی کو اس دور کا اختتام تسلیم کیا ہے۔ ایسا کیوں؟ جب آپ اس کتاب کو پڑھیں گے تو دیکھیں گے کہ آٹھویں صدی کے آس پاس ہندوستان کے معاشرتی، سیاسی اور اقتصادی زندگی میں بہت سی تبدیلیاں ہو رہی تھیں۔ معاشرتی اصول، مذہب، زبان اور فنون کے بارے میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ زندگی کے تمام شعبوں کو ان تبدیلیوں نے معاشرتی اصول، مذہب زبان اور فنون سے متعلق زندگی کے تمام پہلوؤں کو متاثر کیا۔ اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ آٹھویں صدی کے آس پاس ہندوستان کی تاریخ میں ایک نئے دور کا آغاز ہوا۔

نئے خیالات سے معاشرے کے تمام افراد ایک ساتھ متاثر نہیں ہوتے یا تو ہندوستان کی تاریخ میں کچھ تبدیلیاں آٹھویں صدی سے قبل ہی آنے لگیں تھیں لیکن ملک کے کچھ حصوں میں ان کے اثرات کچھ عرصہ بعد محسوس کئے گئے۔ اس لئے عام نظر سے دیکھتے ہوئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ نئے خیالات کی شروعات آٹھویں صدی عیسویں سے ہوئی اور اٹھارہویں صدی آتے آتے کئی تبدیلیاں نظر آنے لگیں۔ اس وجہ سے ہم نے عہد وسطیٰ کے آخر اور جدید دور کی آمد تقریباً اٹھارہویں صدی کو مانتے ہیں۔ ان ہزار سالوں کے دوران اس برصغیر کے معاشرے میں نئی نئی تبدیلیاں ہوتی رہیں۔ اس کتاب میں جو آپ پڑھ رہے ہیں اس کا موازنہ پچھلے درجہ میں پڑھی گئی باتوں سے کرنے کی کوشش کریں۔

﴿ مشق ﴾

آیئے پھر سے یاد کریں

1 خالی جگہوں کو بھریں

(الف) سولہویں صدی کے شروع میں .... نے ہندوستان لفظ کا استعمال کیا۔

(ب) .... ایک خاص قسم کی فارسی کتاب ہے۔

(ج) .... لوگوں کے ذریعہ ہندوستان میں ایک نئے مذہب کی آمد ہوئی۔

(د) ہندوستان میں کاغذ کا استعمال .... صدی کے آس پاس ہوا۔

2 جوڑے بنایئے

راج ترنگنی	دریا صاحب
بھگتی سنت	سہسرام
طبقات ناصری	ویکٹ پور کا شیو مندر
شیر شاہ کا مقبرہ	کشمیر کی تاریخ
مان سنگھ	منہاج سراج

3 عہد وسطیٰ کے ایسے لباسوں کی ایک فہرست بنایئے جس کا استعمال ہم آج بھی کرتے ہیں۔

4 کپڑے کی صنعت کے میدان میں پیش آئی دو خاص تبدیلیوں کو بتائیں۔

5 کاغذ کا ایجاد سب سے پہلے کہاں ہوا تھا؟

آیئے سمجھیں

6 جنگل کے باشندوں کو جنگل کیوں چھوڑنا پڑا؟

7 گنگا جمنی تہذیب سے آپ کیا سمجھتے ہیں؟

8 آٹھویں صدی کے آس پاس ہوئی تبدیلیوں کو لکھئے۔

آیئے غور کریں

9 کیا قدیم ہندوستان کے مقابلے میں عہد وسطیٰ کے مطالعہ کے لئے زیادہ ذرائع ستیاب ہیں۔

10 جب ایک ہی شخص یا واقعہ کے بارے میں الگ الگ رائیں آتی ہیں ان حالات میں مورخین کیا کرتے ہوں گے؟

آیئے کر کے دیکھیں

11 آپ بھی یادداشت لکھ سکتے ہیں۔ آپ اپنی پسند اور دلچسپی کے مطابق کسی واقف کار آدمی یا اپنی زندگی کے واقعہ کو لکھیے۔

12 آج کل کے رائج سکوں سے کن کن باتوں کی جانکاری حاصل کی جاسکتی ہے۔

2

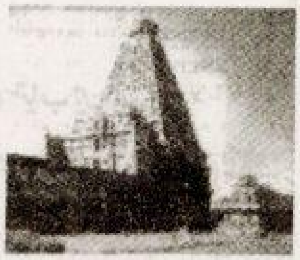

نئے صوبے اور بادشاہوں کا نمود

شبنم اور عمران دونوں کو تاریخی سیریل دیکھنے کا شوق تھا۔ ایسا ہی ایک سیریل پرتھوی راج چوہان ٹیلی ویژن پر نشر ہو رہا تھا۔ اس سیریل کو دیکھ کر دونوں کے دل میں پرتھوی راج چوہان کے بارے میں کئی خیالات پیدا ہوئے جیسے

(i) پرتھوی راج چوہان کس صوبے کا بادشاہ تھا؟

(ii) اس وقت ان کے معاصر اور کون کون بادشاہ ہوئے تھے؟

(iii) اس وقت ہمارے ملک کی سیاسی حالت کیسی تھی؟

گذشتہ باب میں آپ نے دیکھا کہ ہندوستان کے مغربی ساحل پر عربوں کی آمد ہوئی اور ان کی حکومت قائم ہوئی اسی زمانے میں شمالی اور وسطی ہندوستان کے سیاسی نقشے پر راجپوتوں کی آمد ہوئی۔ سچ تو یہ ہے کہ گپت خاندان کے زوال کے بعد ساتویں سے بارہویں صدی عیسوی کے درمیان ایک نئے رجحان کا آغاز ہوا یعنی سیاست کے میدان میں ٹوٹ پھوٹ کا عمل شروع ہو گیا جس کے نتیجہ میں اتری اور دکھنی ہندوستان میں کئی چھوٹے چھوٹے علاقائی حکومتیں نمودار ہونے لگیں۔ بعض اوقات ہرش وردھن جیسے حکمرانوں نے ایک بڑے جغرافیائی حصے پر حکومت کرنے کی کوشش کی لیکن انہیں توقع کے مطابق کامیابی نہیں ملی۔

نئے شاہی خاندانوں کا نمودار ہونا

نقشہ-1 میں برصغیر کے مختلف حصوں میں ساتویں سے بارہویں صدی عیسی کے درمیان حکومت کرنے والے خاص شاہی خاندان کو دکھایا گیا ہے۔ آپ کو یہ جان کر حیرت ہوگی کہ ان میں سے کئی شاہی خاندان کے بادشاہوں کے تحت عملہ، امراء، بڑے بڑے زمیندار اور بہادر سردار تھے۔ جب ان کے مالک کمزور پڑ گئے تو انہوں نے اپنی آزادی کا اعلان کر دیا۔ مثال کے طور پر راشٹرکوٹ خاندان کرناٹک کے چالوکیہ بادشاہوں کے ماتحت تھے۔ آٹھویں صدی کے بیچ میں ایک راشٹرکوٹ سردار دنتی دُرگ

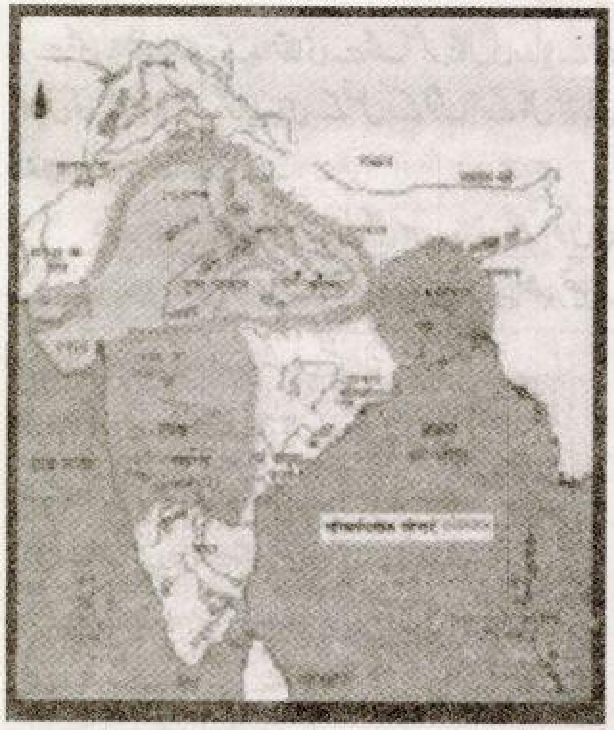

نقشہ: 2.1 ساتویں سے بارہویں صدی کے دوران خاص صوبے

نے اپنے آپ کو حکمراں کے شکل میں قائم کر کے راشٹر کوٹ خاندان کی بنیاد ڈالی اور دکھنی علاقے کے اتری حصے میں مانیہ کھیت نام کے مقام کو اپنی راجدھانی بنائی۔ اسے آپ نقشہ-1 میں دیکھ سکتے ہیں۔

چند دیگر حکمراں جیسے گرجر، پرتیہار غالباً برہمن تھے۔ انہوں نے اپنے اپنے روایتی کاموں کو چھوڑ کر ہتھیار کو اختیار کرلیا اور وسطی ہندوستان (راجستھان اور گجرات) میں ایک آزاد شاہی خاندان کی بنیاد ڈالی۔ اس خاندان کا اہم ترین بادشاہ ناگ بھٹ اوّل تھا جس نے عربوں سے مقابلہ کیا۔ گولیار کے رکارڈ میں اسے ملیچھوں کو برباد کرنے والا بتایا گیا ہے۔

ناگ بھٹ کی حصولیابیاں

کئی حکمرانوں نے اپنے دستاویزوں میں اپنی حصولیابیوں کا تذکرہ کیا۔ گوالیار (مدھیہ پردیش) سے ملی سنسکرت کے ایک دستاویز میں پرتیہار راجا ناگ بھٹ کے کارناموں کا بیان اس طرح کیا گیا ہے۔

> **آندھرا، سندھ، ودربھ (مہاراشٹر کا ایک حصہ) اور کلنگ (اڑیسہ کا ایک حصہ) کے راجاان کے سامنے اس وقت جھک گئے جب وہ صرف ایک راجکمار تھے۔ انہوں نے قنوج کے حکمراں چکریدھ کو جیت لیا...... انہوں نے بنگ (بنگال کا حصہ)، انرت (گجرات کا حصہ) مالوہ (مدھیہ پردیش کا حصہ)، فرات (بنواسی)، تورنشک (ترک) وتس، تیسیہ (دونوں اتری ہندوستان کے حصے) کے بادشاہوں کو ہرایا۔**

کچھ مثالیں ایسی بھی ہیں جہاں نئے حکمراں اس علاقے کے اہم ترین لوگوں کے ذریعہ منتخب کئے گئے تھے۔ بہار اور بنگال کے اوّلین پال حکمراں گوپال کا انتخاب اسی طرح ہوا تھا۔ تبتی مورخ لاماتارناتھ بھی اس کی تصدیق کرتے ہیں۔ کھلیم پورتا مہر

SARVA SHIKSHA - 2014-15 (FREE)

پتر سے بھی یہ اشارہ ملتا ہے کہ بدانتظامی سے تنگ آکر بنگال کی رعایا نے خود گوپال کو اپنا بادشاہ منتخب کرلیا۔ اسی کے نسل کے لوگ آگے چل کر پال خاندان کے نام سے مشہور ہوئے۔

کچھ مثالیں خاتون حکمرانوں کی بھی ہیں۔ خاتون حکمرانوں کی سب سے عمدہ مثال کشمیر کی ملکہ کا ہے جو بڑی بہن کے نام سے مشہور تھیں، وہ وزیروں اور فوج کی مدد سے ملکہ بن گئیں۔

مذکورہ بالا نظروں سے ہم سمجھ سکتے ہیں کہ —

☆ یہ ضروری نہیں کہ حکمراں کسی حکمراں خاندان سے ہی متعلق ہو۔

☆ ماتحت عملہ بعض حالات میں حکمراں بھی بن سکتے تھے۔

دوسرے لوگ، وزراء، فوجیوں اور اہم ترین لوگوں کی حمایت سے حکمراں بنے۔

میدان جنگ میں رانا اپنے سرداروں کے ساتھ

خطاب کا کیا معنی ہوتا ہے؟ استاد کی مدد سے آپس میں مذاکرہ کیجئے۔

اس دور کی تاریخ میں چار راجپوت خاندان سب سے زیادہ مشہور ہیں۔ وہ پرتیہار یا پریہار، چوہان یا چاہمان، سولنکی یا چالوکیہ اور پرمار تھے۔ کئی سرداروں نے بھی آزاد شاہی خاندان کی بنیاد ڈالی۔

سردار

اس زمانے کے کئی دستاویزوں اور کتابوں میں اس طبقہ کے لوگوں کا ذکر ہے۔ اس طبقہ کے لوگوں کے لئے کئی اور نام بھی رائج تھے۔ جیسے سامنت، رائے، ٹھاکر، رانا اور راوت۔ آپ کو یاد ہوگا کہ پہلے کے زمانہ کے بادشاہ جنگ میں جب کسی دوسرے بادشاہ کو ہراتے تھے تو اس کی حکومت کو اپنی حکوت میں ملا لیتے تھے۔ لیکن آپ کو یہ جان کر حیرت بھی ہوگی کہ 400ء سے 1000ء کے بیچ کے زمانے میں جنگ میں ہارے ہوئے بادشاہوں کو عام طور پر ان کی حکومتیں واپس بھی مل جاتی تھیں۔ بدلے میں انہیں کچھ شرائط کو قبول کرنے پڑتے تھے۔ شکست خوردہ بادشاہ کو یہ ماننا پڑتا تھا کہ فاتح بادشاہ اس کا مالک ہے اور وہ فاتح بادشاہ کے قدموں کا خادم۔ فاتح راجا مالک کہلاتے تھے اور ہارا ہوا راجا اس کا سردار کہلاتا تھا۔ یہ دکھانے کے لئے کہ وہ کس راجا کا سردار ہے ہارے ہوئے راجا کو اپنے نام کے آگے یہ بات لکھنی پڑتی تھی۔ اس کی ایک مثال پڑھیے:

"پرم بھٹارک پرمیشور مہاراجہ دھیراج شری بھوج دیو کے چرنوں میں رہنے والے مہا سامنت مہاراجہ دھیراج شری چھتی پال کی حکومت تھی۔"

آپ نے کیا پایا؟ آپ نے پایا ہوگا کہ بھوج دیو اور چھتی پال دونوں کے ناموں کے ساتھ خطابات لگے ہیں لیکن سردار کا خطاب بادشاہ کے خطاب سے چھوٹا ہے اسی سے پتہ چلتا ہے کہ بادشاہ زیادہ طاقت ور مانا جاتا تھا۔ سردار بننے پر ہارے ہوئے بادشاہ کو اور بھی کئی شرائط ماننے پڑتے تھے۔ اسے مالک کے دربار میں موقع بہ موقع قیمتی تحفے بھیجنے پڑتے تھے۔ کسی موقع پر اسے خود مالک بادشاہ کے دربار میں حاضر ہونا پڑتا تھا اور ضرورت پڑنے پر سردار کو اپنے مالک راجا کی مدد کے لئے فوج بھی بھیجنی پڑتی تھی۔ اس زمانے میں جتنے بھی چھوٹے بڑے بادشاہ تھے وہ سردار بنانے کی پالیسی ہی اپناتے تھے۔

زمین کی ملکیت اور اس سے متعلق خدمت کچھ شرطوں کی بنیاد پر انتظام کو (سامنت وادی) جاگیرداری نظام کہتے ہیں۔

یہ تھوڑا سنسکرت اور تھوڑا تمل میں لکھا ہوا تام پتروں کا ایک مجموعہ ہے جس میں نویں صدی میں ایک حکمران کے ذریعہ دیا گیا زمین کا عطیہ کا ذکر ہے۔ جن کڑیوں سے یہ پتر جڑے ہیں ان پر راجسی مہر لگی ہوتی ہے جو یہ بتلانے کے لئے ہے کہ یہ ایک معتبر دستاویز ہے۔

صوبوں میں حکومت

بادشاہ حکومت کا مرکزی نقطہ یا سب سے زیادہ طاقت ور ہوتا تھا جیسا کہ ان کے بڑے بڑے خطابات جیسے مہاراجہ دھیراج (بادشاہوں کے بادشاہ) پرم بھٹارک پرمیشور، تری بھون۔ چکرورتین (تین بھونوں کا مالک) وغیرہ سے جانا جاتا ہے۔ دستاویزوں اور اس عہد کے ادب میں مرکزی حکومت سے متعلق مختلف عہدیداروں کا بیان ہے۔ جیسے غیر ملکی شعبہ کا صدر (سندھی وگرہک) وزیر خزانہ (اکچھ پٹالک) سرکاری ذخیرہ کا افسر (بھانڈ اگارک) پولیس کے شعبے کا صدر (میاڈنڈا نائک) وغیرہ زیادہ طاقت ور ہونے کے باوجود بادشاہ اپنے سرداروں کے ساتھ ساتھ برہموں، کسان اور تاجر تنظیموں کے ساتھ حکومت کی ساجھے داری کرتے تھے۔ اکثر صوبوں میں پیداوار کرنے والوں کا ایک طبقہ جس میں کسان جانور پالنے والے اور کاریگر آتے تھے۔ صوبے کی آمدنی کے کئی ذرائع تھے لیکن

بنیادی ذریعہ ٹیکس ہی تھا جسے راج یوگ یا اوپری ٹیکس کہا جاتا تھا۔ تمام پیداواری سے اپنے پیداوار کا ایک حصہ ٹیکس مان کر وصول کیا جاتا تھا۔

تجارت اور صنعت کا ٹیکس بھی آمدنی کا ایک اہم ترین ذریعہ تھا۔ کسانوں کو اپنی اناج کا 1/6 اور 1/3 کے بیچ زمین کی مالگذاری دینا ہوتا تھا۔ مذکورہ ذریعہ سے حاصل آمدنی کا ایک بہت بڑا حصہ مندروں اور قلعوں کی تعمیر میں لگایا جاتا تھا۔ ان وسائل کا استعمال جنگوں میں بھی ہوتا تھا۔

بادشاہ لوگ اکثر برہمنوں کو زمین کا عطیہ انعام کی شکل میں دیتے تھے۔ یہ تامر پتروں پر دستاویز کی شکل میں تحریر ہوتے تھے جو زمین پانے والوں کو دیئے جاتے تھے۔ یہ برہمن حکمرانوں کے لئے جگیہ کرتے تھے اور حکمرانوں کے لئے نسب نامہ بھی تیار کرتے تھے جس میں یہ دکھانے کی کوشش کرتے تھے کہ حکمراں کس طرح قدیم اور عظیم الشان حکمراں خاندان سے متعلق ہیں۔

قنوج کے لئے جدوجہد

جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ ہندوستان پر عربوں کے حملہ کے بعد پورے برصغیر میں تین اہم طاقتوں کا طلوع ہوا۔ یہ تین اہم طاقتیں تھیں وسط اور مغربی ہندوستان کے گرجر اور پرتیہار، جنوب کے راشٹرکوٹ اور بنگال کے پال۔ اپنے اپنے علاقوں میں ان سبھوں نے طویل عرصے تک حکومت کیا لیکن ان حکمرانوں کا زیادہ تر وقت آپسی ٹکراؤ میں ہی گذرا۔ قنوج اس ٹکراؤ کا مرکز تھا۔ آیئے اس پر غور کریں کہ قنوج آخر کیوں ان کے ٹکراؤ کا مرکزی نقطہ بنا؟

(1) جیسا کہ آپ نے درجہ چھ میں پڑھا تھا کہ قنوج ہرش وردھن کی راجدھانی اور شمالی ہندوستان کا ایک مشہور شہر تھا جو اس شہر پر قبضہ جما لیتا تھا وہ گنگا جمنا کے زرخیز میدانوں پر قبضہ کر لیتا تھا جو محصول کا ایک بہت بڑا ذریعہ تھا۔

(2) پالوں کے لئے وسط ہندوستان اور پنجاب اور پرتیہاروں اور راشٹرکوٹوں کے لئے گنگا کے میدان میں پہنچنے کے راستے پر قنوج سے بہتر قابو ہو سکتا تھا۔

(3) قنوج گنگا کے کنارے پر واقع ہونے کی وجہ سے ندی کے راستے سے ہونے والی تجارت کے نقطہ نظر سے شمالی اور مشرقی ہندوستان کے بیچ اہم ترین کڑی تھی۔ تینوں صوبے اس جدوجہد میں لگے رہے اور باری باری سے انہوں نے قنوج پر قبضہ جمایا۔ مورخوں نے اسے قنوج کے لئے سہ رخی جدوجہد (ٹکراؤ) کہا ہے۔

ان تینوں کے زوال کے کیا اسباب رہے ہوسکتے ہیں؟ تذکرہ کریں۔

آپ سوچ رہے ہوں گے کہ اس سہ رخی ٹکراؤ میں فاتح کون ہوا؟ قنوج پر قبضہ جمانے کی خواہش رکھنے والے تینوں طاقت آپس میں جنگ کرتے کرتے تھک چکے تھے۔ وہ آپس کی جنگوں میں اس قدر مصروف ہوگئے کہ ان کو یہ بھی پتہ نہیں چلا کہ وہ کتنے کمزور ہو چکے ہیں، آخر کار ان تینوں صوبوں (حکومتوں) کا زوال شروع ہوگیا۔ ان تینوں کی سیاسی طاقت لگ بھگ ایک طرح کی تھی اور وہ خاص طور سے بڑی فوجوں پر منحصر کرتے تھے، ان فوجوں کے اخراجات کے لئے لازمی ذرائع بھی ایک طرح کے تھے۔ ان کے محصولات کا ایک بہت بڑا حصہ اس فوجی مہم میں خرچ ہوگیا۔ ہمیشہ ٹکراؤ میں رہنے کی وجہ سے اپنے ماتحت سرداروں کی طرف سے ان کی توجہ ہٹ گئی۔ موقع کا فائدہ اٹھا کر رفتہ رفتہ ان سرداروں نے اپنے آپ کو آزاد کرلیا۔ سرداروں کی نافرمانی اور شمال مغربی اور جنوبی حملوں نے شمالی ہندوستان کو اور بھی کمزور کردیا۔ جب ان پر شمال مغرب سے ترکوں کا حملہ ہوا تو وہ صحیح طریقے سے اپنی حفاظت نہیں کرسکے۔ ان حملہ آوروں میں سب سے پہلا محمود غزنوی تھا۔

اس سے پہلے کہ ہم ان حملوں کا مطالعہ کریں، اس سلسلہ میں یہ جاننا ضروری ہے کہ اس زمانے میں ہندوستان کی سیاسی اور معاشرتی حالت کیا تھی؟

اس وقت پورا برصغیر مختلف چھوٹی چھوٹی حکومتوں میں منقسم تھا۔ ان کے آپسی تعلقات بھی اچھے نہیں تھے۔ شمالی ہند میں ہندوشاہی، قنوج، کالنجر، گجرات، بندیل کھنڈ، مالوہ، بنگال، کشمیر وغیرہ چند خاص حکومتیں تھیں۔ ان میں کوئی بھی حکومت اس قدر طاقت ور نہیں تھی جو انہیں متحد رکھ کر لائق قیادت عطا کرسکے۔ سیاسی اتحاد کی کمی کی وجہ سے سرداری نظام کا عمل بھی جاری رہا۔ ایک مرکزی حکومت کے تحت مختلف چھوٹے بڑے سرداروں کا وجود تھا۔ یہ سردار اپنے علاقائی بیداری اور فوجی طاقت کے ذریعہ مرکزی حکومت کو کمزور کرنے کا موقع تلاش کرتے رہتے تھے۔ اگرچہ راجپوت اس زمانے میں شمالی ہند کی اہم ترین سیاسی طاقت تھے، لیکن ان کی اپنی کچھ مجبوریاں راجپوتوں نے جنگ وجدال کو فخریہ عمل قرار دیا گیا تھا۔ اکثر حکمراں اپنی عزت کی حفاظت کے لئے آپس میں لڑائی کرنے کے لئے آمادہ رہتے تھے۔ ان حکومتوں میں باہری حملہ آوروں کا آپس میں مل کر مقابلہ کرنے کا جذبہ بھی نہیں تھا۔ اس کے علاوہ دو مسلم حکومتیں بھی تھیں۔ ملتان کی حکومت جس میں شیعوں کا غلبہ تھا اور منصوروں (سندھ) کی حکومت جس میں عرب خاندان کے حکمراں تھے۔

ترکوں کی آمد کے وقت ہندوستان کی معاشرتی حالت بھی اچھی نہیں تھی۔ اس دور کے معاشرے میں حکمراں طبقہ،

فوجیوں اور رعایا کے درمیان تال میل کی کمی تھی۔ بادشاہ اور رعایا کے بیچ کافی دوری تھی۔ انتظامیہ اور فوج کے کچھ عہدوں پر برہموں اور راجپوتوں کی زیادہ تر بحالیاں خاندانی طور پر ہونے لگیں۔ اس کے نتیجہ میں ایک طرف تو دیگر طبقات اور ذات کے لوگ حکومت کے تعلق سے مایوس ہوتے چلے گئے اور دوسری طرف نااہل لوگ بھی وراثت کی شکل میں اعلیٰ انتظامی عہدے حاصل کرنے لگے۔ معاشرے کا ہر شخص فوجی نہیں بن سکتا تھا۔ وطن جیسے وسیع تصور سے عام لوگ واقف نہیں تھے۔ حکمرانوں کے بدل جانے سے عام رعایا کو کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ ان حالات میں ادنیٰ طبقہ میں مصیبت کے وقت میں حکومت کے لئے کچھ کرگزرنے کا جذبہ نہیں کے برابر تھا۔ اس زمانے میں روایتی طور پر چار خاص طبقے تھے جیسے برہمن، شتریہ، ویشیہ اور شودر کے علاوہ کئی ذیلی ذاتوں اور نئی ذاتوں کا رواج بھی ہوا۔ اس طبقاتی نظام نے لوگوں کے خیالات کو محدود کردیا اور اس میں باہری 'تبادلہ خیال' کے لئے کوئی جگہ نہیں رہی۔

جیسا کہ تاریخ ہند کے مصنف البیرونی نے اشارہ کیا:

''ہندوؤں میں یہ پختہ عقیدہ ہے کہ ہندوستان کی طرح اور کوئی ملک نہیں ہے کوئی ایسی قوم اور وطن نہیں ہے، کوئی بادشاہ ان کے بادشاہ کی طرح نہیں ہیں اور دوسرا کوئی سائنس ان کے سائنس کی طرح نہیں ہے۔''

محمود غزنوی

غزنی جدید افغانستان میں واقع ایک چھوٹی سی حکومت تھی۔ ایک ترک سردار نے دسویں صدی میں یہ حکومت قائم کی تھی۔ اس کے وارثوں میں محمود بھی تھا۔ وہ غزنی کو ایک بڑا اور طاقتور حکومت بنانا چاہتا تھا، اس لئے اس نے وسط ایشیاء کے کچھ حصوں ایران اور برصغیر کے شمال مغربی حصے کو جیت لینا چاہا۔ 1010ء اور 1025ء کے درمیان محمود نے شمالی ہند کے صرف ان شہروں پر حملہ کیا جن میں بہت سارے خوشحال مندر تھے۔ ان شہروں میں متھرا، تھانیشور، قنوج، برنداون اور سومناتھ تھے۔ اس میں گجرات کا سومناتھ مندر اپنی دولت اور عظمت کے لئے کافی مشہور تھا۔

1030ء میں محمود کی موت ہوجانے پر شمالی ہند کے لوگوں کو راحت ملی کیونکہ اس کے حملوں سے عام زندگی متاثر ہوجاتی تھی۔

معاصر مورخین نے محمود غزنوی کے ہندوستانی حملوں کے مقاصد کی تفصیل بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ محمود ہندوستان میں اسلام مذہب کی عظمت

سومناتھ کے مندر کے بارے میں خاص طور سے درجہ میں مذاکرہ کریں۔

کو قائم کرنا چاہتا تھا۔ جبکہ کچھ مؤرخین کا کہنا ہے کہ محمود کا مقصد ہندوستان سے دولت لوٹنا تھا تا کہ اس دولت سے وہ وسط ایشیاء میں حکومت کی توسیع کے لئے فوجی ذرائع جمع کر سکے۔

آپ کے خیال میں محمود کے ہندوستان پر حملہ کے کیا مقاصد ہو سکتے ہیں؟

حملوں کے اثرات

محمود کے حملوں کے اثرات ہندوستان پر مستقل ظاہر نہیں ہوتے ہیں۔ اس نے ہندوستان میں کوئی مستقل حکومت بنانے کی بھی کوشش نہیں کی۔ ہر فاتحانہ مہم کے بعد دولت لوٹ کر وہ غزنی واپس لوٹتا رہا۔ ہندوستان پر اس نے تقریباً سترہ بار حملے کئے اور ہر بار ہندوستانی راجاؤں کی فوجی طاقت کو نقصان پہنچایا اور انہیں ہرایا۔ ان حملوں سے باہری طاقتوں کو ہندوستان کی سیاسی اور فوجی طاقت کی کمزوری کا اندازہ ہوگیا۔ آگے چل کر ترک اور افغانوں نے کئی بار ہندوستان پر حملہ کیا اور ایک مستقل حکومت قائم کرنے میں کامیاب رہے۔

اپنے منفی شبیہہ کے باوجود محمود کے حملوں نے اسلامی اور ہندو تہذیب کے درمیان تعلقات بڑھانے میں اچھا رول ادا کیا۔ ''شاہنامہ'' نام کے رزمیہ مثنوی کا مصنف فردوسی اسی کی سرپرستی میں رہا۔ اسی نے وسط ایشیاء کے مشہور دانشور البیرونی کو ہندوستان بھیجا۔ اس نے ہندوستان کے بارے میں اپنی مشہور تخلیق ''تحقیق فی الھند'' لکھی۔ اس کتاب میں ہندوستان اور یہاں کے باشندوں کے معاشرتی زندگی کا تفصیلی تذکرہ کیا گیا ہے۔

محمود غزنوی کے حملوں کے لگ بھگ ڈیڑھ سو سالوں بعد ترکوں کے حملوں کا دوسرا دور ہندوستان میں شروع ہوگیا۔ ان حملوں کی قیادت غور کے حکمراں محمد غوری نے کیا۔ اس کی خواہش صرف لوٹ مار کرنے کی نہیں تھی بلکہ وہ شمالی ہند کو بھی جیت کر اپنی حکومت میں ملا لینا چاہتا تھا۔

محمد غوری کے مہم بڑے منظم ہوتے تھے۔ اس نے یہ محسوس کیا کہ ملتان اور سندھ کو مرکز بنا کر ہندوستان کے اندرونی حصوں کو نہیں جیتا جا سکتا ہے۔ اس لئے اس نے ہندوستان کے فتح کا مرکز پنجاب کو قرار دیا۔ پنجاب فتح کے نتیجہ میں اس کی حکومت کی سرحدیں اجمیر اور دلی کے راجا پرتھوی راج چوہان کی حکومت کے سرحد کو چھونے لگی۔ 1191ء میں بھٹنڈا کے نزدیک ترائین گاؤں کے میدان میں ہوئے پہلی لڑائی میں غوری ہار گیا۔ اس ہار کی پرواہ کئے بغیر 1192ء میں ترائین کی دوسری لڑائی میں اس نے پرتھوی راج چوہان کو ہرا دیا۔ ترائین کی جیت نے شمالی ہند میں ترکی حکومت کے قیام کو لگ بھگ یقینی بنا دیا۔ غوری کے ہندوستان پر حملوں کے دوررس نتائج مرتب ہوئے۔ اسی کے نتیجہ میں دلی سلطنت قائم ہوئی جس کے بارے

11ویں صدی میں جنوبی ہندوستان

نقشہ: 3

میں آپ تفصیل سے آئندہ بابوں میں پڑھیں گے۔

دکن کی حکومتیں

اس زمانے میں شمالی ہند کی طرح جنوبی ہندوستان میں بھی کئی حکومتیں تھیں (نقشہ-2 پر غور کریں) کرشاندی کے اتر کی حکومتیں دکن کی حکومتیں تھیں اور کرشاندی کے جنوب کی حکومتیں دکن کی دور دراز کی حکومتیں تھیں۔ دکن کی حکومتوں میں راشٹرکوٹ اور چالوکیہ مشہور تھے۔ ان کے بارے میں آپ پڑھ چکے ہیں اور دور دراز دکن کی حکومتوں میں چول، چیر اور پانڈیا وغیرہ مشہور تھے۔ جدید دور کی علاقے میں چول حکومت کے دکھن پانڈیہ کی حکومت تھی جدید کیرل صوبہ میں چیر خاندان کی حکومت تھی۔

چول بادشاہوں نے تنجور کے آس پاس کے علاقے تامل ناڈو سے اپنی حکومت شروع کی۔ رفتہ رفتہ پلو خاندان کے حکمراں اور دوسرے مقامی حکمرانوں کو ہرا کر اپنے کو دکن میں سب سے طاقتور بنالیا۔ لیکن حکومت قائم کرنے والے ابتدائی چول حکمرانوں میں وجیالیہ (871-846) تھا۔ اس نے تنجور کو جیت کر اپنے آپ کو ایک آزاد حکومت کا حکمراں ظاہر کیا۔

چول خاندان کے راجاؤں میں سب سے مشہور راجا راج راج اوّل اور بیٹا راجندر چول تھا۔ راج راج اوّل (1016-958) ایک کامیاب فوجی سپہ سالار تھا اور اس نے مختلف سمتوں میں حملے کئے۔ راج راج جنوب مشرقی ایشیاء کے تجارت میں عربوں کے غلبہ سے واقف تھا۔ اس لئے وہ ایک سمندری مہم میں نکلا۔ اس نے شری لنکا اور مالدیپ نام کے جزیروں پر قبضہ کر کے عربوں کے غلبہ کو چیلنج کر دیا۔

راج راج کا بیٹا راجندر (1044-1014ء) اپنے والد سے بھی زیادہ لوالعزم تھا۔ اس نے ایک بہت بڑی سمندری فوج کو منظم کیا۔ اس کی دو جنگیں بہت ہی زوردار اور کامیاب رہیں۔ ایک تو وہ جس میں اس کی فوج مشرقی ہندوستان کے ساحل سمندر سے ہو کر اڑیسہ کو پار کرتی ہوئی گنگا ندی تک پہنچ گئی۔ راجندر کی دوسری مہم شری لنکا اور جنوب مشرقی ایشیاء (جنوبی ملایا جزیرہ اور سماترا) کے ملکوں میں ہوا تھا۔ اس مہم میں اس نے برّی اور بحری فوج کا استعمال کیا۔ اس مہم کا بنیادی مقصد

اپنی حکومت کے تجارتی مفاد کی حفاظت کرنا تھا۔

چول انتظامیہ

چول راجاؤں کے مختلف دستاویزوں سے ان کے انتظامی حکومت کی جانکاری ملتی ہے۔ راجا حکومت میں سب سے زیادہ طاقتور فرد ہوتا تھا۔ پھر بھی حکومت کے کاموں کو چلانے کے لئے اپنی وزارت سے مشورہ لیتا تھا۔ اس کے احکام کو اس کا نجی سکریٹری لکھ لیا کرتا تھا۔ کچھ افسران کے نام بھی ملتے ہیں۔ ان میں چیف سکریٹری، ہیڈ کلرک اور ادنیٰ کلرک وغیرہ خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ اس انتظام سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ چول حکمرانوں نے ایک منظم شہری خدمات کو فروغ دیا۔

ایک نیا شہر

راجندر چول اپنی فوج کو گنگا ندی تک لے گیا۔ وہاں سے گنگا کا پانی لا کر اپنے نئے شہر میں رکھا۔ یہ شہر گنگئی۔ کونڈ۔ چولم پور کے نام سے جانا گیا۔ اس کا معنی تھا چول حکمرانوں کا شہر جو گنگا کو لے کر آیا تھا یا جس نے شمالی ہند پر فتح حاصل کی تھی۔

آج کی شہری خدمات سے چول کے عہد کی شہری خدمات کا موازنہ کر کے مذاکرہ کریں۔

پورے چول حکومت کو راشٹر کہا جاتا تھا۔ انتظامیہ کی سہولت کے لئے پورے راشٹر کو کئی اکائیوں میں بانٹ دیا گیا تھا جنہیں منڈلم کہا جاتا تھا۔ ہر ایک منڈلم (کوٹم) کمشنری میں اور ہر ایک کمشنری ضلعوں میں بٹا ہوا تھا۔ پھر ہر ایک ضلع کو تحصیل میں تقسیم کیا گیا تھا۔ منڈلم کا سربراہ کوئی شاہی خاندان کا فرد ہوتا تھا۔ لیکن کمشنری، ضلع اور تحصیل کے کئی افسر اور کرمچاری ہوتے تھے۔ سبھی اپنے حلقے کی نقل وحرکت کی اطلاع اپنے سے اوپر والے محکمہ کو دے دیتا تھا۔

دیہی انتظامیہ

گاؤں کا مقامی انتظامیہ چول نظام حکومت کی ایک اہم خصوصیت تھی۔ بہت سے گاؤں میں حکومت کا انتظام سرکاری کرمچاریوں کے ذریعہ نہیں کر کے خود گاؤں والوں کے ذریعہ کیا جاتا تھا۔ یہاں تین طرح کے دیہی مجلسوں کی وضاحت ملتی ہے۔

(i) اُر (عام لوگوں کی گرام سبھا یعنی دیہی مجلس)

(ii) سبھا یا مہا سبھا (گاؤں کے معزز برہمنوں کی ایک مجلس تھی جسے اگرہار کہا جاتا تھا)

(iii) نگرم (تجارتی لوگوں کی ایک اہم ترین انتظامی مجلس تھی)

دیہی مجلس حکومت کے کاموں کو چلانے کے لئے کئی کمیٹیاں بناتی تھی جیسے عام انتظامی کمیٹی، ذیلی کمیٹی، سینچائی کمیٹی، زراعت کمیٹی، تعلیمی کمیٹی، حساب و کتاب کمیٹی وغیرہ کمیٹی کو 'وریم' کہتے تھے ان کمیٹیوں کے ذریعہ دیہی مجلس کئی کام کرتی تھی جیسے مندر اور دیگر عوامی اداروں کی دیکھ ریکھ، تجارت کی سہولت کے لئے سرکاری سڑکوں کی تعمیر اور مرمت اور سینچائی صفائی وغیرہ۔

کیا آپ کے اسکول یا گاؤں میں اس طرح کی کوئی کمیٹی کام کرتی ہے؟ اگر ہاں تو کیسے؟

دستاویز

''تامل ناڈو کے چنگل پوٹ ضلع کے اتر میرور دستاویز کے مطابق مجلس کی ممبر شپ مجلس کی رکنیت کے لئے خواہش مند لوگوں کو ایسی زمین کا مالک ہونا چاہئے جہاں سے زمین کی مالگذاری وصولی جاتی ہے۔ ان کے پاس اپنا گھر ہونا چاہئے، ان کی عمر 35 سے 70 کے بیچ ہونا چاہئے، انہیں ویدوں کا علم ہونا چاہئے، انہیں انتظامی امور کی اچھی جانکاری ہونی چاہئے اور ایماندار ہونا چاہئے اگر کوئی شخص گذشتہ تین سالوں میں کسی کمیٹی کا ممبر رہا تو وہ کسی اور کمیٹی کا ممبر نہیں بن سکتا تھا جس نے اپنے یا اپنے رشتہ داروں کی خاطر محصول جمع نہیں کرائے ہیں وہ انتخاب بھی نہیں لڑ سکتا۔''

شاندار مندر

ابھی آپ نے چول حکومت اور اس کی کچھ خصوصیات کو دیکھا۔ آپ سوچ رہے ہوں گے کہ اس حکومت کے حکمراں اپنا زیادہ تر وقت لڑائی میں ہی گذارتے ہوں گے لیکن چول بادشاہوں کے ذریعہ کئی عظیم الشان مندر بنائے گئے، جس میں تنجور کا برھدیشور مندر اور گنگئی کونڈ چولپورم کے مندر مشہور ہیں۔ یہ مندر فن تعمیر اور مجسمہ سازی کی خوبصورت مثالیں ہیں۔ (ان کے بارے میں ہم تفصیل سے باب 5 میں پڑھیں گے)

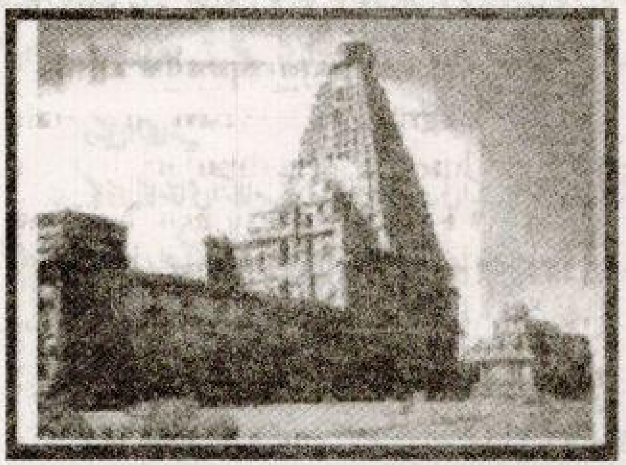

برہدیشور مندر، تنجاپور

ان مندروں میں پوجا پاٹھ کے ساتھ ساتھ زندگی کی دیگر نقل و حرکت بھی چلتی تھیں۔

ہندوستان کے ایسے مندروں کا پتہ لگائیے جہاں آج بھی عقیدت مندوں کے ذریعہ نذرانے چڑھائے جاتے ہیں۔ نذرانہ چڑھانے کے پیچھے لوگوں کا عقیدہ کیا رہتا ہے؟

نویں صدی تمل ناڈو کا ایک سمندری دروازہ حوض کے ذریعہ ندیوں کی شاخوں میں پانی کے بہاو کو اس کے ذریعہ قابو میں کیا جاتا تھا۔ اس پانی سے کھیتوں کی سینچائی ہوتی تھی۔

چول حکمرانوں کے دور حکومت میں بادشاہوں، تاجروں اور دولت مند لوگوں کے ذریعہ کافی مقدار میں سونا چاندی اور قیمتی چیزوں کے علاوہ زمین اور گاؤں بھی عطیہ میں دیئے جانے لگے۔ اس سے مندر کے عملہ (کرمچاریوں) جیسے پروہت، مالاکار باورچی قیسر، سنگیت کار (موسیقی کار) رقاصہ وغیرہ کی تعداد میں بھی خاطر خواہ اضافہ ہوا۔ ان کرمچاریوں کو ان کی خدمات کے بدلے غلہ اور بعد میں زمین بھی دی جانے لگی۔ مندروں کے ذریعہ زمینوں کا تبادلہ کرنے کی وجہ سے مندر کے اقتصادی انتظام میں جاگیردارانہ مزاج شامل ہوتا چلا گیا۔ تبدیل شدہ زمین کے علاوہ ٹیکس کے مطالبہ سے کسانوں کی پریشانی بڑھنے لگی۔ اس کے ساتھ ہی مرکزی حکومت کے کمزور ہونے پر جاگیردارانہ ڈھانچے کی مالی حالت اور مضبوط ہوتی چلی گئی۔ چول حکومت کا مندر معاشرتی کاموں کا مرکز بھی تھا۔ تقریبوں اور مذہبی تہواروں کے موقع پر آس پاس کے علاقہ کے لوگوں کے جمع ہونے کا مقام مندر ہی تھا۔ مندر میں گاؤں کی کمیٹیاں اپنی بیٹھک کیا کرتی تھیں۔ مندر کے احاطے میں ہی اسکول ہوتا تھا۔ عام طور پر برہمن ہی پڑھتے اور پڑھاتے تھے۔ انہیں اسکولوں میں مخطوطات کو محفوظ رکھا جاتا تھا۔

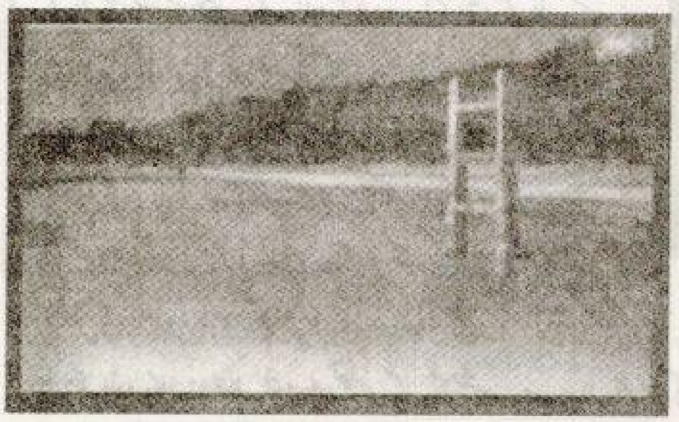

زراعت اور سینچائی

چول حکومت میں زراعت اور سینچائی پر مناسب دھیان دے کر حکومت کو خوشحال بنانے کی کوشش کی۔ اس وقت جنوبی ہندوستان میں کھیتی کے لائق زمین

بھی معقول مقدار میں دستیاب تھی۔ اس کے علاوہ چول راجاؤں نے جنگلوں کو صاف کرا کر کھیتی کے لائق زمین کا مناسب توسیع بھی کیا تھا۔ اس زمانے میں جنوبی ہندوستان میں سینچائی کے قدرتی ذرائع کی کمی تھی۔ اس مسئلہ کو حل کرنے کے لئے سینچائی کے دیگر مصنوعی ذرائع پر کافی زور ڈالا گیا۔ معاصر ذرائع سے ہمیں یہ علم ہوتا ہے کہ سینچائی کے ذرائع کی حفاظت اور توسیع کو مکمل کام کی شکل میں دیکھا جاتا تھا۔ سینچائی کے لئے کئی طریقے اپنائے جاتے تھے۔ اس زمانے میں تالاب، جھیل اور کنوؤں کا استعمال ہوتا تھا۔ بارش کے پانی کو بڑے بڑے تالابوں میں جمع کیا جاتا تھا۔ تالاب کے پانی کو کھیتوں تک پہنچانے کے لئے سینچائی کی نہریں بنائی گئیں۔

''انیکٹ'' لفظ تمل کے دولفظوں سے مل کر بنا ہے ''ارئی'' یا باندھ اور ''کٹو'' یا تعمیر۔ چول حکمرانوں کے زمانے میں کاویری ندی پر بنایا گیا ''مہاانیٹ'' کاویری ندی کے پانی کو سینچائی کے لئے استعمال کرنے کی اولین کوشش تھی۔

سینچائی کے بڑے منصوبوں کے لئے باندھ اور انیکٹ بھی ہوتے تھے جو حکومت کے قبضہ میں تھے۔ اب ذرا غور کریں کہ سینچائی کے کاموں میں منصوبہ کی ضرورت ہوتی ہے جیسے مزدوری کے وسائل کو منظم کرنا اور اس پر دھیان دینا کہ پانی کا بٹوارہ کیسے ہو۔ زیادہ تر حکمراں اور گاؤں میں رہنے والے لوگوں نے ان نقل و حرکت میں سرگرمی سے دلچسپی دکھائی۔ تالابوں کی دیکھ ریکھ کرنا دیہی مجلس (گرام سبھا) کا ایک اہم کام تھا۔

اولوکی تیشور دسویں صدی (گیا)

پال نسل (صورت حال)

جیسا کہ آپ نے دیکھا کہ آٹھویں صدی کے وسط مشرقی ہندوستان (بہار اور بنگال) میں پال خاندان کا عروج ہوا۔ اس خاندان کا بانی گوپال تھا جس کا انتخاب خود وہاں کی عوام نے کیا تھا۔ گوپال کے بعد دھرمپال، دیوپال اور مہی پال کئی ایسے راجا ہوئے جنھوں نے شمالی ہندوستان میں ایک مضبوط حکومت کی شکل میں ابھرنے کی کوشش کی۔ یاد رہے کہ ان میں سے کئی راجاؤں نے سہ رخی مقابلے میں حصہ لے کر اسے ایک مرکزی حکومت بنانے کی بھرپور کوشش کی۔ شاید بہار کا مونگیر شہر ان کی راجدھانی تھی۔

پال حکمرانوں کا زمانہ مختلف فنون اور تعلیم کے لئے مشہور ہے۔ یہاں ہم ان کی مجسمہ سازی کے فن اور تعلیم میں ان کی

مہاتما بدھ

خدمات کا خاص طور سے تذکرہ کریں گے۔
فن مجسمہ سازی کا ایک خاص انداز کا رواج اسی زمانے میں ہوا، نالندہ، بودھ گیا اور کرکی ہار فنون کے مرکز بن چکے تھے جہاں بڑے پیمانے پر دھات کی مورتیاں بنائی گئیں۔ پال کے زمانے کی مورتیاں اس عہد کے مذہبی عقائد سے متاثر ہو کر بنائی گئیں تھیں۔ اس میں زیادہ تر مہاتما بدھ کی مورتیاں تھیں۔ برہمن، جین اور دیگر دیوی دیوتاؤں کی مورتیاں بھی ملی ہیں مشرقی ہند کی اس مخصوص مجسمہ سازی میں کالے سلیٹی رنگ کے پتھروں کا استعمال کیا گیا ہے۔ اس طرز کی مورتیاں خاص طور سے ایک شیلا پٹ پر کھود کر بنائی گئی ہیں۔ شروع میں مورتیوں کے اوپری حصے سجے نہیں ہوتے تھے بعد میں سجی ہوئی مورتیاں بنائی گئیں، ساتھ ہی پچھلے حصہ کو بھی سجایا گیا۔

پال کے فن کے تحت بودھ مورتیوں میں بدھ کے علاوہ بودھستو، تارا، تنتر پانی، بودھ دیو وغیرہ خاص ہیں۔ برہمن دیوتاؤں میں وشنو، شیو، سوریہ، درگا اور گنیش وغیرہ کی مورتیاں بنی۔ جین مورتیوں میں لگ بھگ تمام تیرتھ کروں کی نمائندگی دیکھنے کو ملتی ہے۔

پٹنہ میوزیم میں رکھی گئی پال کے عہد کی بہترین مثالوں میں (ایکساری) سارن سے حاصل اولوکیتیشورز مین کو چھوتے ہوئے حالت میں بودھ کے دوستوں کی مورتیاں، مونگیر سے حاصل مکر مکھ پرنال وغیرہ مشہور ہیں۔ انہیں آپ آج بھی پٹنہ میوزیم میں دیکھ سکتے ہیں۔ پال حکمرانوں کے زمانے میں کئی اہم ترین تعلیمی مراکز قائم کئے گئے۔ پہلے حکمراں گوپال نے اپنی حکومت کے دوران بہار شریف (آدنت پوری) میں ایک خانقاہ اور ایک یونیورسٹی کی تعمیر کرائی۔
دھرمپال نے آج کے بھاگلپور ضلع میں وکرم شیلا یونیورسٹی کی تعمیر کروایا تھا۔ اس نے نالندہ مہاویر کو بھی عطیہ دیا۔

﴿ مشق ﴾

آیئے پھر سے یاد کریں

1 جوڑے بنائیے:

سومناتھ	گرجر پرتیہار
سین خاندان	لوگوں کے ذریعہ منتخب حکمراں
گوپال	سہ رخی مقابلہ
قنوج	گجرات
وسط ہندوستان	بہار

2 جنوب کی خاص حکومتیں کون کون تھیں؟

3 اس زمانے کے بادشاہ کون کون سے خطاب اختیار کرتے تھے؟

4 بہار اور بنگال میں کن خاندانوں کی حکومت تھی؟

آیئے سمجھیں

5 تمل علاقے میں کس طرح کی سینچائی کے انتظام کو فروغ حاصل ہوا؟

6 قنوج شہر تین طاقتوں کے مقابلے کا مرکزی نقطہ کیوں بن گیا؟

7 محمود غزنوی اپنے فتح مہم میں کیوں کامیاب رہا؟

8 سردار نظام کا طلوع کس طرح ہوا؟

آیئے غور کریں

9 معاصر حکومتوں کی حکومتی انتظامیہ آج کی سرکاری انتظامیہ سے کیسے مختلف تھی۔

10 کیا آج بھی ہمارے معاشرے میں جاگیردارانہ نظام کی علامت نظر آتے ہیں۔

آیئے کرکے دیکھیں

11 عہد وسطیٰ کے مندر اپنے مال و دولت کے لئے کافی مشہور تھے۔ عظمت کے نقطہ نظر سے آپ اپنے قریب کے مندر سے موازنہ کیجئے۔

12 ہندوستان کے نقشے پر پرتیہار پال اور راشٹرکوٹ خاندان کے ذریعہ حکومت کے علاقے کو دکھایئے۔ موجودہ زمانے میں یہ ہندوستان کے کس حصہ میں واقع ہیں؟

3

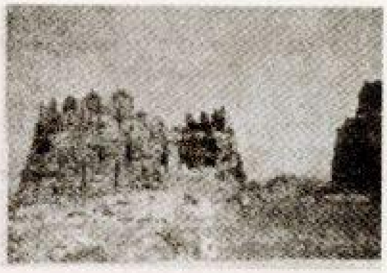

ترک افغان حکمراں

یوم آزادی (15 اگست) کے موقع پر زبیدہ ہندوستان کے وزیراعظم کو دلّی میں واقع لال قلعہ پر پرچم کشائی کرتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔ اچانک اس کے دل میں یہ سوال اٹھا کہ دہلی ہندوستان کی راجدھانی کب بنی؟

آج سے تقریباً 950 سال پہلے تومر راجپوت خاندان کے بادشاہوں کے دور میں دلّی شہر کا فروغ ایک تجارتی مرکز کی شکل میں ہوا۔ اس شہر میں کئی دولت مند تاجر رہتے تھے۔ یہاں دلّی وال نام کا سکہ ڈھالا جاتا تھا۔ بارہویں صدی کے وسط میں اجمیر کے چوہان حکمرانوں نے دلّی پر قبضہ جمالیا۔ چوہان بادشاہوں نے اجمیر کے ساتھ ساتھ دلّی کو بھی اپنی حکومت کا مرکز بنایا۔

نقشہ: 3.1 دہلی کا نقشہ

تیرہویں صدی کی ابتداء میں ترکوں نے دلّی سلطنت قائم کردیا۔ اس کے ساتھ ہی دلّی برصغیر ہند کے حکمرانوں کا مرکز بن گیا۔ تقریباً تین سو سالوں سے زیادہ عرصہ تک پانچ شاہی خاندانوں کے سلطانوں نے دلی سلطنت پر حکومت کیا۔ چارٹ ایک میں ان پانچ شاہی خاندانوں کی فہرست دی گئی ہے۔ دلّی سلطنت کے سلطانوں نے دلّی کے قریبی علاقوں میں کئی بستیاں بسائیں جنھیں آج ہم دلّی کے لازمی حصہ کی شکل

شاگردہ بن گئیں۔

میرا کی بھکتی رچنا کا ایک حصہ

میرو تو گردھر گوپال، دوسرا نہ کوئی
جا کے سر سور مکٹ میرو پتی سوئی
سادھو ڈھگ بیٹھ بیٹھ، لوک لاج کھوئی
بھکت دیکھی راضی بھئی، جگت دیکھی کھوئی

چیتنیہ

بنگال کے چیتنیہ مہاپربھو نے اوائل عمری میں ہی سنیاس حاصل کر وشنو دھرم کا آسان اور اخلاقی روپ پیش کیا۔ انہوں نے بھجن کیرتن، آتما کی پاکیزگی اور ایشور کے تئیں احترام اور پریم کو اہمیت دی۔ ان کے پیروکاروں میں ہندو مسلم، چانڈال، برہمن سبھی کو شامل کیا گیا۔

کرشن بھکتی روایت میں سورداس اور رس خان نے بھی اپنی تخلیقات کے ذریعہ لوگوں تک اپنی پہنچ بنائی جب کہ یہ دھرم پرچارک نہیں تھے۔ لیکن ان کی رچنائیں تہذیبی اہمیت سے بھری ہوئی تھیں۔ سورداس نے اپنی رچناؤں میں کرشن کے بچپن اور اس کی مہما (کرشمہ) کو پیش کیا۔

کبیر داس

رامانند کے پیروکاروں کا ایک طبقہ نرگن طبقہ کہلاتا تھا۔ ان سنتوں نے ایشور کا تصور نراکار شکل میں پیش کیا۔ انہوں نے ذات پات، اونچ نیچ، رسم و رواج اور مورتی پوجا وغیرہ کی کھل کر مخالفت کی۔ ان سنتوں میں خاص تھے کبیر! کبیر اسلام اور ہندو دھرم کی تعلیمات سے بخوبی واقف تھے۔ کبیر کے خیالات کی جانکاری ساکھی اور سبد میں ملتی ہے۔

SARVA SHIKSHA - 2014-15 (FREE)

ایسا آدمی
خود ایشور ہے

چوکھا میلا کے بیٹے کے ذریعہ تخلیق کردہ ابھنگ—

تم نے ہمیں پسماندہ ذات کا بنایا
میرے مہا پربھو تم خود یہ حالت قبول کر کے تو دیکھو
ہمیں زندگی بھر جوٹھن کھانا پڑسکتا ہے
اس کے لئے میرے پربھو تمہیں شرم آنی چاہئے
تم تو ہمارے گھر میں کھا چکے ہو
تم اس سے کیسے انکار کر سکتے ہو؟

چوکھا کا (بیٹا) کرما میلا پوچھتا ہے—
تم نے مجھے زندگی کیوں دی ؟

مہاراشٹر کے بھکتی سنتوں نے سماجی ماحول پر طنز کرتے ہوئے کس طرح کے خیالات پیش کیے، اظہار خیال کیجئے۔

شمالی ہندوستان میں سماجی تبدیلی کا آغاز

تیرہویں صدی کے بعد شمالی ہندوستان میں بھکتی تحریک کی ایک نئی سوچ آگے بڑھی، اس سوچ میں برہمن وادی ہندو دھرم، اسلام، صوفی سنتوں اور موجودہ مذہبی طبقوں ناتھ پنتھیوں، سدھوں اور یوگیوں وغیرہ کے نظریات کی واضح جھلک دیکھنے کو ملتی ہے۔

رامانوج کی بھکتی روایت کو شمالی ہند میں ہر دل عزیز بنانے کا سہرا رامانند کے سر جاتا ہے۔ ہندی شاعری میں ایک قول دیکھنے کو ملتا ہے کہ

"بھکتی دراوڑ اُپجی لائے رامانند
پرکٹ کری کبیر نے سپت دویپ نوکھنڈ

وحدانیت کے اصول کو اپنایا۔ ان کے فلسفے کا خلاصہ ہے: صرف برہما ہی سچ ہے، باقی سارا سنسار جھوٹا ہے۔ اس کا کوئی وجود نہیں ہے۔ انہوں نے برہما کو سب سے زیادہ طاقت ور بتایا اور جاندار میں ایشور کے وجود کو ثابت کیا۔ ان کے مطابق بنا ایشور کے جاندار کا وجود کچھ نہیں۔

شنکراچاریہ کے ذریعہ قائم کیے گئے چاروں مٹھ

شمال :	بدریکاشرم	(اتراکھنڈ)
جنوب :	شرنگیری	(کانچی) تامل ناڈو
مشرق :	پوری	(اڑیسہ)
مغرب :	دواریکا	(گجرات)

رامانوج

شنکراچاریہ کے فلسفے میں کچھ خوبیوں کو جوڑتے ہوئے رامانوج نے ایشور کو رحم اور مہربانی کا ذریعہ مانا۔ انہوں نے سماج کے دلت طبقہ کو بھی بھکتی کا پیغام دیا۔ انہوں نے نجات حاصل کرنے کی ترکیب وشنو کی بھکتی میں دیکھی۔ رامانوج نے بھکتی کی جونئی سوچ مشتہر کی اس نے آگے چل کر شمالی ہندوستان میں بہت وسعت اختیار کی۔

واسوناکا ویر شیوواد

بارہویں صدی کے وسط میں واسونا کی قیادت میں جنوبی ہندوستان میں ویر شیوتحریک شروع ہوئی، جس میں تمل بھکتی تحریک اور مورتی پوجا کے خلاف ردعمل دکھائی دیتا ہے۔ انہوں نے برہمن وادی نظریات کے خلاف پسماندہ ذاتوں اور عورتوں کے تئیں مساوات کا نظریہ پیش کیا۔ انہوں نے غلط رسم و رواج اور مورتی پوجا کی بھی مخالفت کی۔

مہاراشٹر میں بھکتی تحریک

رامانوج کے نظریات کا اثر جنوبی ہندوستان سے مہاراشٹر تک پھیلا۔ مہاراشٹر کی وشنو پد بھکتی کی دھارا میں تیرہویں

جنوبی ہند سے بھکتی روایت کا آغاز : الوار اور نینار سنت

عہد وسطی کے آغاز میں (ساتویں سے بارہویں صدی کے درمیان) بھکتی آندولن کو عام لوگوں تک پہنچانے کا سہرا تمل علاقہ کے الوار اور نینار سنتوں کے سر جاتا ہے۔انہوں نے آتما کو پنرجنم سے نجات کے لئے ایشور کے تئیں پوری بھکتی اور عقیدت پر زور دیا۔الوار اور نینار گھومنے پھرنے والے سنت تھے، جو گاؤں گاؤں جا کر دیوی دیناؤں کی توصیف میں بھجن کرتن کرتے تھے۔ان سنتوں کا تعلق پسماندہ ذات کے لوگوں سے بھی تھا۔انہوں نے سماج کے سبھی لوگوں کو ایشور کی بھکتی کا پیغام دیا۔

کیا آپ جاننا چاہیں گے ؟

نینار شیو (شیو کی پوجا کرنے والے) اور الور ویشنو (وشنو کی پوجا کرنے والے) سنتوں کو کہا جاتا تھا۔کل ملا کر نینار سنتوں کی تعداد 63 تھی جو سماج کے مختلف طبقوں جیسے کمہار، اچھوت، کامگار، کسان، شکاری، فوجی، برہمن اور مکھیا جیسے طبقات بھی پیدا ہوئے تھے۔اپار، سیبندر، سندرار، منیکو ساگار وغیر سب سے مشہور نینار سنت تھے۔ان کے گیتوں کے مجموعے کو تیورم اور تیرووا چکم کہا جاتا تھا۔الوار سنتوں کی تعدد 12 تھی۔ان میں بیشتر مشہور پری الوار اور ان کی دختر آنڈال وغیرہ تھی۔ان کے گیت دیویہ پر بندھم میں جمع ہیں۔

عام لوگوں کے ساتھ ان سنتوں کا سیدھا تعلق تھا۔لوگوں نے ان سے عقیدت میں مندروں کی تعمیر کی اور ان کی مذہبی زندگی کے واقعات لکھے تھے۔ان سنتوں کے ذریعہ تخلیق کئے گئے گیتوں میں بھگوان اور بھکت کے درمیان سیدھا تعلق قائم کرنے پر زور دیا گیا جس سے سماج میں مساوات کا چلن بڑھا۔

بھکتی تحریک

ابھینو اپنے داداجی کے ساتھ گاؤں کے مندر میں ہو رہے بھجن کیرتن میں شامل ہونے گیا ہوا تھا۔ وہاں موجود لوگوں کو دیکھ کر اس نے اپنے داداجی سے پوچھا کہ بھگوان کی بھکتی کب شروع ہوئی ؟ داداجی نے یہ سن کر کہا کہ ہندوستان میں یہ روایت بھکتی سنتوں کے ذریعہ شروع ہوئی۔

ایشور کی بھکتی کے بارے میں جاننے کی اس کی خواہش (تجسس) اور بڑھتی گئی جسے اس کے استاد نے پورا کیا۔

بھکتی سے آپ کیا سمجھتے ہیں؟

بھکتی کا مطلب ایشور میں پورا یقین اور اس پر وشواس کرنا ہے۔ اسے ہی دنیا کا مالک مان کر اس کی پناہ میں خود کو دے دینا ہے۔

ہندو دھرم میں پنر جنم (دوبارہ پیدا ہونے) کے لئے تین راستے بتائے گئے ہیں

۱ علم کا راستہ

۲ کام کا راستہ

۳ بھکتی کا راستہ

ایشور کی پوجا کی روایت

ہندوستان میں بھکتی یا ایشور کی پرستش کی روایت زمانہ قدیم سے چلی آ رہی ہے۔ جب بڑی بڑی حکومتوں کا وجود نہیں ہوا تھا اور سماج قبیلوں میں تقسیم تھا، اس وقت ہر قبیلے کے لوگ اپنے اپنے دیوی دیوتاؤں کی پوجا کیا کرتے تھے۔ جیسا کہ آپ درجہ چھ میں نئے سوال نئے خیال کے تحت پنر جنم کے تئیں عقیدے کے متعلق پڑھ چکے ہوں گے۔ بھکتی کے متعلق بھگوت گیتا میں یہ بات لکھی ہے کہ انسان بھکتی کے جذبے سے ایشور کی پناہ میں جا کر پنر جنم کے جھنجھٹ سے نجات حاصل کر سکتا ہے۔ یہ خیال ابتدائی صدیوں میں ہر دل عزیز ہو چکا تھا۔ لوگ اپنے اپنے لائق پرستش دیوی دیتاؤں کی پوجا ارچنا کیا کرتے تھے۔ شیو،

SARVA SHIKSHA - 2014-15 (FREE)

ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد کے پہلے تحریری کام پتوں، پیڑ کی چھالوں، ریشمی کپڑوں، پتھروں اور دھات کی چادروں پر کیا جاتا تھا۔عربوں کے ذریعہ یہاں کاغذ بنانے کی تکنیک لائی گئی اور کاغذ پر لکھنے کا کام شروع کیا گیا جبکہ عربوں نے بھی اسے چینیوں سے سیکھا تھا۔

مسلمانوں کی آمد کی وجہ سے ہندوستان میں فارسی اور عربی کی اہمیت بڑھی۔سرکاری زبان کے طور پر فارسی کا استعمال ہونے لگا۔نتیجہ یہ ہوا کہ ہندو لوگ بھی عربی فارسی سیکھنے کی طرف راغب ہوئے۔ہندوستانی فلسفہ، جیوتش اور حساب کی بہت سی کتابوں کا عربی اور فارسی میں ترجمہ کیا گیا۔مسلم ادیبوں کے ذریعہ ہندی میں بھی کئی شعری تخلیقات سامنے آئیں۔امیر خسرو جیسے عظیم شاعر اور دانش ور نے ہندی کے فروغ میں اہم رول نبھایا۔فارسی، ترکی، برج اور کھڑی بولی کی آمیزش سے ایک نئی زبان اردو وجود میں آئی۔اس طرح اردو ہندوستانی اور اسلامی تہذیب کی صحیح علامت بنی۔

ہندوستان میں مذہب اسلام کی آمد سے قبل تکلی سے سوت کاتا جاتا تھا، جس میں کافی وقت لگتا تھا۔لیکن مسلمان اپنے ساتھ چرخہ لے کر آئے جس سے کپڑا بنانے کے کام میں بہت سہولت ہوئی۔

آپ بتا سکتے ہیں کہ اسلام مذہب اپنے ساتھ کھانے پینے اور پہننے کی کون کون سی چیزیں لے کر آیا ؟

کچھ ہندوستانیوں کے ذریعہ مذہب اسلام کو اپنانے سے بھی حالات بدلنے لگے۔عالی شان مندروں کی جگہ خوبصورت مسجدیں بھی بننے لگیں۔پوجا پاٹھ کرنے والوں کے ساتھ ساتھ نماز پڑھنے اور روزہ رکھنے والوں کی تعداد بھی بڑھی۔

اسلام کے ماننے والوں نے بھی ہندو سماج کے رسم و رواج کو اپنایا۔جن لوگوں نے تبدیلی مذہب کے بعد اسلام کو اپنا ان کے رہن سہن اور آپسی کام دھام میں ہندو مذہب کی کئی خصوصیات موجود تھیں۔پیدائش، وفات اور شادی وغیرہ کے موقع پر منائی جانے والی تقریبات ہندو تہذیب سے متاثر تھیں۔صوفی سنتوں کے مزارات پر زیارت اور عرس کے میلے ہندوؤں کے تیرتھ استھانوں پر ہونے والی تقریبات سے متاثر تھے۔جس طرح سے ہندو اپنے دیوی دیتاؤں کی دھرتی پوجا کے لئے جاتے تھے، اب مسلمان اور دوسرے مذاہب کے لوگ بھی صوفیوں کے مزار پر چادر چڑھانے جانے لگے۔

SARVA SHIKSHA - 2014-15 (FREE)

سے بھارت آئے اور یہاں کے رسوم ورواج کو قبول کر کے یہیں کے ہو کر رہ گئے۔

عہد وسطیٰ میں بھارت میں آ کر بسنے والا سب سے اہم طبقہ مسلمانوں کا تھا۔ مذہب اسلام کا سورج ساتویں صدی عیسوی میں عرب میں طلوع ہوا۔ اس کے قبل بھی عربوں کا بھارت کے ساحلی علاقوں کے ساتھ تجارتی تعلق تھا، جو مسلم عربوں کے ساتھ بھی قائم رہا۔ آٹھویں صدی کے آغاز میں محمد بن قاسم کی قیادت میں عربوں کی حکومت سندھ اور جنوبی مغربی پنجاب میں قائم ہوئی۔ مگر عربوں کی سیاسی حکمرانی محدود علاقوں میں اور بہت کم عرصہ تک ہی رہی۔ گیارہویں صدی میں غزنی کے حکمراں محمود کے ذریعہ شمال مغربی سرحد کے راستے فوجی حملوں کا سلسلہ شروع کیا گیا۔ ان حملوں کا خاص مقصد بھارت کی دولت کو لوٹنا تھا۔ مگر ان کا ایک ظاہری نتیجہ یہ ہوا کہ پنجاب کے علاقے میں ترکوں کی حکومت قائم ہو گئی اور لاہور کا شہر ان کی راجدھانی بنا۔ بارہویں صدی کے آخر تک سیاسی گرفت میں مزید اضافہ اس وقت ہوا جب محمد غوری نے دلی اور اجمیر کے حکمراں پرتھوی راج چوہان کو شکست دے کر بھارت کے میدانی علاقوں پر قبضہ کر لیا۔ اس طرح تیرہویں صدی کے آغاز تک مسلم حکمرانوں کی حکومت پنجاب، سندھ، راجپوتانہ کے علاقوں اور دوآبہ کے حصوں پر قائم ہو چکی تھی۔

1206 میں دلی سلطنت قائم ہوئی۔ اس دوران یعنی بارہویں صدی میں اسلامی دنیا کے ساتھ ہندوستان کے تعلقات مذہبی سطح پر ہموار ہوئے۔ محمود کے ہم عصر وسطی ایشیائی اسکالر البیرونی نے ہندوؤں کے مذہب، سائنس اور سماجی زندگی سے متعلق اپنی معروف تصنیف "کتاب الہند" لکھی۔ دوسری طرف کئی صوفی سنت اور مذہبی پیشوا بھی ہندوستان کے مختلف شہروں میں آ کر بسے جن کے دم سے ہر خاص و عام کو مذہب اسلام کے مقاصد اور اوصاف کی جانکاری ملی۔ اس میں وحدانیت، مساوات اور بھائی چارہ جیسے اصولوں نے ہندوستان کے لوگوں کو خاص طور سے متاثر کیا جو سماجی نابرابری اور استحصال کے شکار ہوئے تھے۔ اس لئے ان دونوں مذاہب کے ماننے والوں کے درمیان آپسی میل جول اور لین دین کا ماحول سازگار ہوا۔

تیرہویں صدی میں ترک حکومت کی تشکیل کے بعد ترکوں نے ہندوستان کے بڑے علاقوں پر اپنا اثر قائم کیا۔ انہوں نے پورے شمالی ہند کے علاوہ جنوبی ہند کو بھی جیتنے کی کوشش کی۔ انہوں نے اپنی فتوحات اور فوجی مہارت سے ہندوستان میں سیاسی ایکتا لانے کا بھی جتن کیا۔

مسلم حکمرانوں کے ذریعہ ہندوستان میں قائم سیاسی ایکا کا سب سے زیادہ اثر ہندو بھکتی سنتوں اور صوفی سنتوں پر

SARVA SHIKSHA - 2014-15 [FREE]

9 لوگوں کی زندگی میں میلے اور ہاٹ کی کیا اہمیت ہے؟ لکھیں

10 اس باب میں مذکورہ شہروں کا تقابل اپنے ضلع میں واقع شہروں سے کریں؟ کیا دونوں کے بیچ کوئی مناسبت اور نامناسبت ہے؟

11 دھات کی مورتی بنانے کی موی تکنیک کے کیا فائدے ہیں؟

آیئے کرکے دیکھیں

12 آپ اپنے قریب کے تیرتھ استھان (زیارت گاہ) کا سفر کرکے پتا لگائیں اور بتائیں کہ لوگ وہاں کیوں جاتے ہیں، وہاں کیا کرتے ہیں؟ کیا اس مقام کے آس پاس دکانیں ہیں اور وہاں کیا خریدا اور بیچا جاتا ہے!

13 آپ اپنے گاؤں اور شہر میں کام کرنے والے کاریگروں (نقاشوں) کا پتا لگائیں اور یہ جانکاری حاصل کریں کہ وہ چیزوں کی پیداوار کس طریقے سے کرتے ہیں؟

پٹنہ میں دوسرے محلوں کا نام پیشے کے اعتبار سے رکھا گیا۔ ان میں سے ایک محلہ ٹھٹھیری بازار ہے۔ تانبے اور پیتل کے برتن بنانے والے سینکڑوں خاندانوں کے سبب اس محلے کا نام ٹھٹھیری بازار پڑا۔ جس گلی میں فوجیوں کے لئے تیر اور کمان بنانے والے رہتے تھے اس کا نام کمانگر کی گلی کہلاتا تھا۔ آج یہ کمگر گلی کے نام سے جانا جاتا ہے۔ پان بیچنے والوں کا محلہ پان داری، نمک کا بازار نون گولا، چاول کا بازار چوہٹا، گڑ کا بازار گڑہٹا وغیرہ بھی جانے جاتے ہیں۔

سترہویں صدی میں انگریز اور ڈچ تجارتی کمپنیوں کی کوشش سے پٹنہ ایک اہم تجارتی مرکز بن چکا تھا۔ کئی جین بیوپاری پٹنہ میں بسنے لگے تھے جن میں سب سے دولت مند بیوپاری ہیرانند شاہ تھا۔ یورپی تاجروں کے ذریعہ وسط ایشیا، مغربی ایشیا، افریقہ کے ساحلی علاقوں اور یورپ کے ملکوں کے ساتھ بہتر ڈھنگ سے ہوتا تھا۔ یوروپ کے تاجروں کی دلچسپی سوتی کپڑے، نیل اور شورے کی حصولیت میں تھی۔ انگریزوں کے ذریعے پٹنہ سیٹی کے گلزار باغ محلے میں گنگا ندی کے کنارے ایک تجارتی کوٹھی 1620ء میں بنوائی گئی تھی۔ اس کوٹھی کا صدر دروازہ گنگا ندی کی جانب تھا۔ یہ کوٹھی اونچی دیواروں سے گھری تھی۔ پٹنہ سے انگریز شورا حاصل کرتے تھے۔ کیونکہ یوروپ میں اس کی بڑی مانگ تھی اور اس سے بارود بنایا جاتا تھا۔ پٹنہ کے آس پاس کے علاقوں سے شورا جمع کیا جاتا تھا اور اسے ناؤں کے ذریعے گنگا کے راستے ہگلی اور پھر وہاں سے یوروپ لے جایا جاتا تھا۔

پٹنہ سے چاول اور چینی بنگال کے بازاروں میں جاتا تھا۔ پٹنہ کے نزدیک لکھاور کپڑا پیداوار کا خاص مرکز تھا۔ یہاں ملک اور بیرون ملک کے تاجر آتے تھے اور مال خریدتے تھے۔ بہار میں بڑے پیمانے پر ریشمی کپڑے بنائے جاتے تھے۔ 1620-21ء میں انگریزوں کے ذریعے پٹنہ میں ریشم سے دھاگے بنانے کے کارخانے لگائے گئے تھے۔

1580ء میں مغل بادشاہ اکبر نے ٹکسال (سکہ بنانے کا مرکز) قائم کیا تھا۔ 1705ء میں

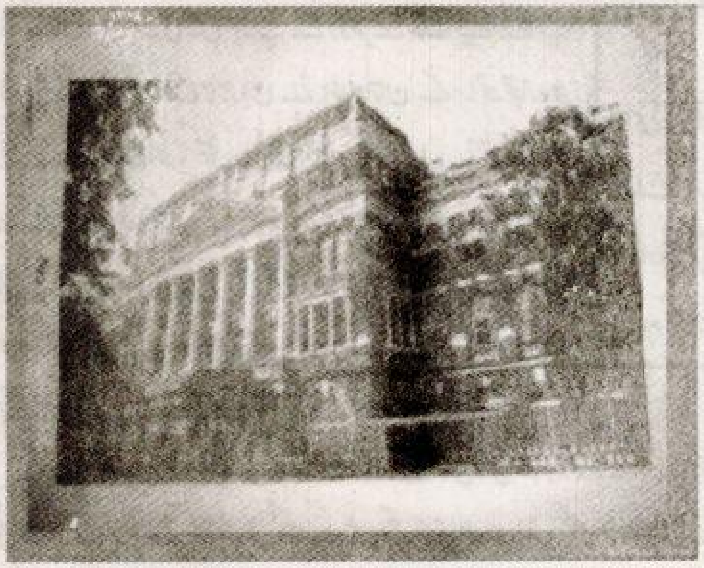

تصویر: 9 کولکاتہ واقع انگریزی ایسٹ انڈیا کمپنی کی تجارتی فیکٹری (گودام) فورٹ ولیم

بنائیں۔ یہاں درآمد برآمد کئے جانے والی چیزوں کو رکھا جاتا تھا۔ فیکٹریوں میں کمپنی کے دفتر اور کارندوں کے لئے قیام گاہ بھی بنے ہوتے تھے۔ حفاظت کے لئے فیکٹریوں کی گھیرابندی کی جاتی تھی۔ قلعہ بند فیکٹریوں کے باہر ہندوستانی بیوپاریوں، دستکاروں اور نقاشوں کو بسایا گیا جو کمپنی کے لئے تجارتی چیزوں کی پیداوار کرتے تھے۔ اس طرح اٹھارہویں صدی میں کلکتہ، مدراس، بمبئی جیسے بڑے شہری مراکز کی شکل میں نمودار ہوئے جو آج ہندوستان کے بڑے اور مشہور شہر ہیں۔

پٹنہ کا پس منظر: ایک نظر

موجودہ پٹنہ کی تاریخ قدیم پاٹلی پترا سے جڑا ہوا ہے۔ تجارتی اہمیت کے سبب پٹن (شہر یا نگری) سے ''پٹنہ'' لفظ زیادہ استعمال ہونے لگا۔ عہد وسطیٰ میں پٹنہ کے ساتھ ساتھ عظیم آباد نام کی بھی شہرت رہی۔ دوسرے عہد وسطیٰ شہروں کی طرح پٹنہ دیواروں سے گھرا تھا جس میں کئی چھوٹے بڑے دروازے لگے تھے۔ پٹنہ سیٹی علاقے میں مغربی اور مشرقی دروازے آج بھی دیکھے جاسکتے ہیں۔

نئے تاجر

یوروپ کے ممالک تجارتی مقصد سے ہندوستان کے سالوں اور کپڑوں کی تلاش میں لگے ہوئے تھے۔ 1498ء میں پرتگال کے باشندہ واسکوڈیگاما آشا آنتریپ کا سفر کرتے ہوئے کالی کٹ پہنچا۔ پرتگال ہندوستان میں تجارتی مقام مستحکم کرنے والا پہلا یوروپی ملک تھا۔ پرتگال نے اپنے مضبوط اور عمدہ جہازی رکھ رکھاؤ کا استعمال کر کے، بحر ہند سے، بحر احمر کے سمندری راستے پر قبضہ جمالیا۔ پرتگالی تاجروں نے ہندوستانی ساحلی علاقوں گووا، کالی کٹ، کوچین، ہگلی اور میلاپور میں بحری فوجی اڈے قائم کئے۔ کالی مرچ، نیل، شورا، سوتی کپڑے، گھوڑے ان کے بیوپار کی خاص اشیاء تھیں۔ انہوں نے اپنے تجارتی دھونس بنائے رکھنے کے لئے کارٹج جاری کرنے کا استعمال شروع کیا۔ یہ ایشیائی سمندر میں جہازوں کی آمدورفت کے لئے ایک طرح کا اجازت نامہ تھا۔ اس کے نہ ہونے پر مال لوٹ کر جہاز کو ضبط کرلیا جاتا تھا۔ اجازت نامہ (کارٹج) دینے کے بدلے ایک مقررہ رقم لی جاتی تھی۔

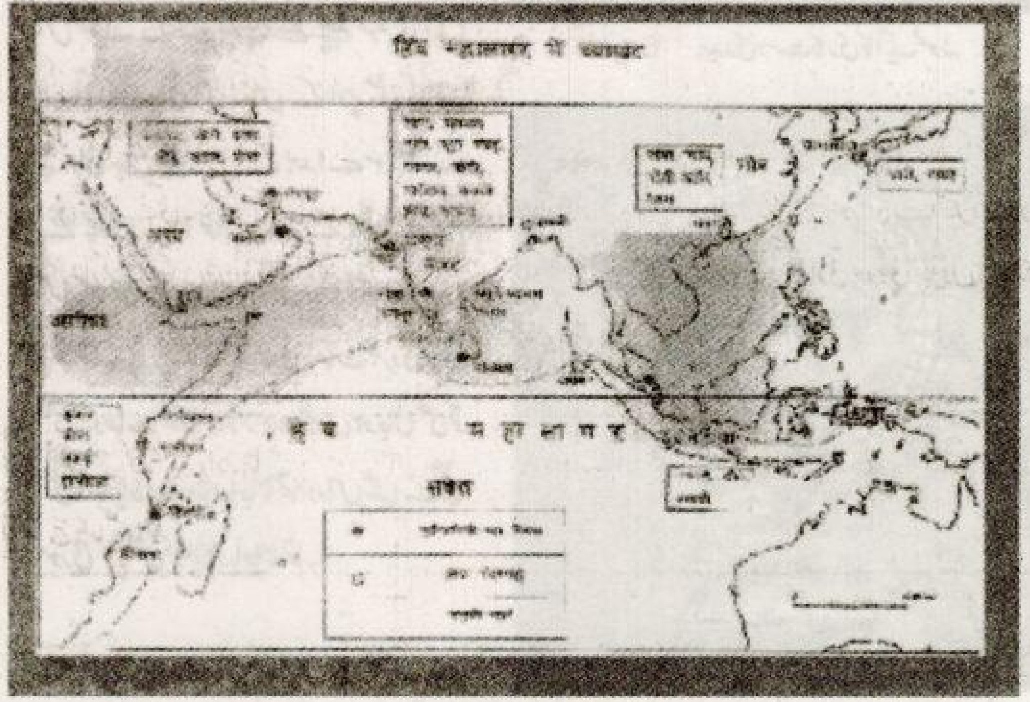

نقشہ: 8 بحر ہند میں تجارت

مغل کارخانہ

سترہویں صدی میں فرانسیسی سیاح برنیئر مغل دارالسلطنت دلی آیا تھا اور اس نے کارخانوں میں کام ہوتے دیکھا۔ وہ اس کے متعلق لکھتا ہے کہ ''گڑھی کے اندر کئی جگہوں پر بڑے بڑے کمرے دیکھے جا سکتے ہیں جنہیں کارخانے یا کاریگروں کی مشق گاہ کہا جاتا ہے۔

کسی ایک کمرے میں ایک استاد کی نگرانی میں کاریگر کشیدہ کاری کرنے میں لگے رہتے ہیں۔ دوسرے کمرے میں سونار، تیسرے کمرہ میں مصور چوتھے میں لاکھ کی پالش کرنے والے، پانچویں میں جڑیے، درزی، موچی، چھٹے میں ریشم بنانے اور کلاوات کا کام کرنے والے یعنی ایسی باریک ململ بنانے والے جن پر خوبصورت کڑھائی کی جاتی ہے۔ کاریگر ہر روز صبح اپنی اپنی مشق گاہوں میں آتے ہیں اور سارا دن وہاں کام کرتے ہیں۔ شام کو اپنے گھر لوٹ جاتے ہیں۔ کشیدہ کرنے والے اپنے بیٹے کو کشیدہ کار، سونار اور اپنے بیٹے کو سونار اور شہر کا حکیم اپنے بیٹے کو حکیم بنانے کی تربیت دیتا ہے، کوئی بھی اپنے دھندے اور کاروبار سے باہر شادیاں نہیں کرتا۔

اس رواج کو قائم رکھنے میں ہندو اور مسلمان دونوں کٹر ثابت ہوئے ہیں۔

☆ برنیئر کے مطابق مغل کارخانوں میں کام کرنے والے کاریگروں کی فہرست بتائیں اور سوچ کر بتائیں کہ کارخانوں میں بنی چیزوں کا استعمال کس طبقے کے لوگ کرتے تھے۔

ہندوستان میں کپڑے کی بنائی زمانہ قدیم سے ہی ایک اہم کاروبار تھا۔ ڈھاکہ کا بنا ململ سارے سنسار میں اپنی باریکی کے لئے مشہور تھا۔ جنوبی ہند میں کانچی پورم اور مسولی پٹنم سوتی کپڑوں کی تیاری کے لئے اہم مرکز تھے۔ سمھ بھات کے ریشمی کپڑے کی مانگ اتنی زیادہ تھی کہ علاء الدین خلجی کو اس کی فروخت کو کنٹرول کرنا پڑا تھا۔ کشمیر اونی شال کے لئے معروف تھا۔

استعمال آبی راستوں پر ہوتا تھا جبکہ بڑے جہاز سمندروں میں چلتے تھے۔

سامانوں کی خرید وفروخت میں سکّے تبادلہ کے خاص وسیلے تھے۔ سکّے سونے چاندی اور تانبے کے بنے ہوتے تھے۔ اس زمانے میں درہم، جیتل، ٹکا، دلّی وال، بہلولی، سونے کی مہریں وغیرہ سکّے کے رواج کا سراغ ملتا ہے۔ مغل عہد میں روپیہ اور دام خاص کرنسی تھے۔ بیوپاریوں کا ایک طبقہ صرافوں کا تھا، جو بیوپار میں اہم کردار ادا کرتے تھے۔ سراف سکے کی جانچ پرکھ اور وزن کی جانچ اور مادہ کے سکوں کے تبادلہ ریٹ متعین کرتے تھے۔ وہ ایک بینکر کے روپ میں لوگوں کے پیسے کا لین دین بھی کرتے تھے اور ہنڈیاں بھی جمع کرتے تھے۔ ہنڈی کاغذ پر لکھا ایک عہد نامہ ہوتا تھا جس کے ذریعے کسی جگہ اور وقت پر لکھی گئی رقم کی ادائیگی کا ذکر ہوتا تھا۔ اس کا آغاز کاروباری کاموں کے لئے ہوا تا کہ زیادہ رقم لے کر کہیں جانے کا خطرہ نہ سامنے آئے۔ اس معاملے میں بھی غیر ملکی تجار نے ہندوستانی ساہوکاروں کی تعریف کی ہے۔

تاجروں کی تنظیم

تاجروں نے اپنے تحفظ کی خاطر بیوپاری تنظیم بنائی۔ جنوبی ہند میں کئی تجارتی تنظیمیں تشکیل پائیں۔ پرانے دستاویزوں میں ان تنظیموں کو ''سمایا'' کہا گیا ہے۔ اس کا مطلب ہے سارے ممبران کے درمیان اتفاق سے پیدا ہوئی تنظیم۔ ہر بیوپاری تنظیم کی میٹنگ ہوتی تھی۔ تنظیم عام طور پر ایک سربراہ کے ماتحت کام کرتی تھی جس کا انتخاب تنظیم کے ممبران کرتے تھے۔ تنظیم کام کرنے کے طور طریقوں کے لئے خود قاعدے قانون بناتی تھی۔ جو ان قاعدوں اور ضابطوں کو توڑتا تھا اسے تنظیم سے باہر نکال دیا جاتا تھا یا سزا دی جاتی تھی۔ تنظیم کے سربراہ بیوپاریوں کے نمائندہ کے طور پر بادشاہ سے مل کر چنگی اور ٹیکس وغیرہ طے کراتے تھے۔ وہ چیزوں کی قیمتیں بھی طے کرتے تھے۔ جنوبی ہند میں دو مشہور بیوپار تنظیمیں تھیں۔ نانادیسی اور منی گرامم۔ ان کا بیوپار چین، سری لنکا اور جنوبی مشرقی ایشیا تک پھیلا ہوا تھا۔

☆ آپ استاد کی مدد سے پتا لگائیں کہ موجودہ عہد میں کسی تجارت سے متعلق کیا ایسی تنظیمیں قائم ہیں؟ آپ ایسی تنظیموں کی تشکیل اور سرگرمیوں کی جانکاری حاصل کریں۔

SARVA SHIKSHA - 2014-15 (FREE)

☆ پتہ کریں کہ آج کل گاؤں سے شہروں تک اناج لے جانے کا کام کیسے ہوتا ہے۔ یہ بنجاروں کے طور طریقوں سے کس طرح مختلف یا ملتا جلتا ہے؟

☆ کیا آپ کے گاؤں، قصبہ، شہر کے آس پاس میلہ لگتا ہے؟ آپ یہ جانکاری حاصل کریں کہ میلے میں کون کون سی چیزیں خریدی اور بیچی جاتی ہیں؟

بڑے پیمانے کی تجارت کچھ خاص بیوپاری طبقے تک محدود تھی۔ شمالی ہند کے ملتانی، گجراتی بنیئے اور جنوبی ہند کے ملے چیٹی اور موروں (عرب، ترکی، خراسانی مسلم وغیرہ) کے کچھ ایسے تاجروں کی جماعت تھی جنہوں نے دور کے ملکوں کے ساتھ تجارتی تعلق قائم کیا۔

ہندوستان کے مغربی ساحلی خطے پر واقع سورت، بھڑوچ، کھم بھات (کیمبے)، کالی کٹ اور گوا جیسی بندرگاہ مغربی ملکوں کے ساتھ مسالہ، سوتی کپڑا، نیل اور جڑی بوٹی کے کاروبار کے خاص مرکز تھے۔ ان چیزوں کو جہازوں میں بھر کر فارس کی کھاڑی اور لال ساگر کے بندرگاہوں کو بھیجا جاتا تھا۔ یہاں سے وینس اور جینوا کے تاجر انہیں یوروپی ممالک تک لے جاتے تھے۔ بنگال کی کھاڑی علاقے میں واقع بندرگاہوں، ستگاؤں، پولی کٹ، مسولی پٹنم، ناگ پٹنم سے کپڑا، اناج، کھانے پینے کی چیزیں، سوتی دھاگا وغیرہ جنوبی مشرقی ایشیا میں بھیجی جاتی تھیں۔

یوروپ کے ملکوں سے اونی کپڑے سونا - چاندی ہندوستان لائے جاتے تھے۔ مشرقی افریقہ سے ہاتھی دانت اور وسطی ایشیاء سے کھجور، تازہ پھل، خشک میرے عرب تاجروں کے ذریعے ہندوستان پہنچتے تھے۔ چین سے ریشم اور جنوبی مشرقی ایشیاء سے مسالہ ہندوستان آنے والی خاص اشیاء میں تھے۔ فارس کی کھاڑی سے ہرمز کے راستے گھوڑے، موتی، ریشم، قالین وغیرہ درآمد کیے جاتے تھے۔ غلاموں کو بھی اسی راستے سے لایا جاتا تھا اور ان کی خرید و فروخت ہوتی تھی۔

تجارتی راستے، آمد و رفت اور تبادلہ کے ذرائع

سڑکوں کے لمبے جال بندرگاہوں کو ایک دوسرے سے جوڑے ہوئے تھے۔ ان کے ذریعے بازاروں اور شہروں کے درمیان تجارت ہوتی تھی۔ البیرونی نے اپنی یادداشت میں 15 تجارتی راستوں کا ذکر کیا ہے۔

ساہوکار، معالج، مصور، موسیقار، کاتب وغیرہ شامل تھے۔ مذہبی سرگرمیوں سے جڑے لوگ پنڈت، علماء، صوفی سنت وغیرہ شہر کے باشندہ تھے۔ انہیں عام طور پر سرکار سے انعام کے شکل میں بلاٹیکس زمین دی جاتی تھی جو شہروں کے اطراف میں ہوتی تھی۔ اس کے علاوہ فوجی، نوکر، غلام، کاریگر وغیرہ بھی شہروں میں رہائش پذیر تھے۔ یہ لوگ اعلیٰ طبقے کے لوگوں کے یہاں کام کرکے اپنی روزی روٹی چلاتے تھے۔

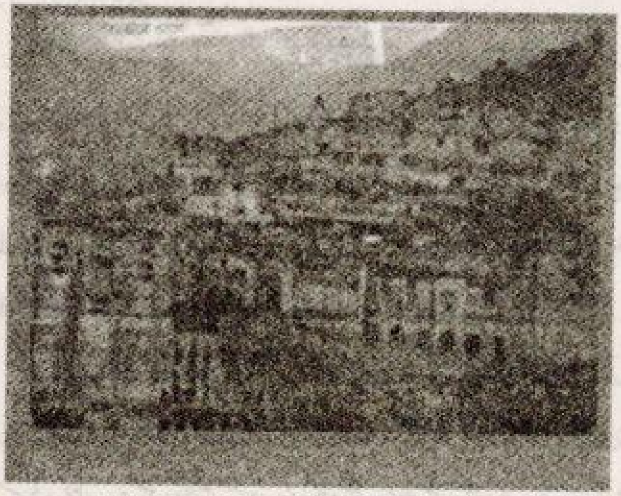

تصویر:3 عہدِ وسطیٰ کا ہندوستانی شہر

☆ آپ اپنے نزدیک کے شہر کا دورہ کرکے وہاں رہنے والے مختلف مذہب، ذات اور کاروبار سے جڑے لوگوں کا پتہ لگائیں اور ان کے رہن سہن، کھان پان اور کاروبار کی جانکاری حاصل کریں۔

تجارت کی حالت اور سمت

شہروں کی مخصوص کشش وہاں کی منڈیاں اور بازار تھے۔ صوبوں کی راجدھانیاں اور سمندر کے ساحلی علاقوں میں واقع شہروں نے تجارت کی سرگرمیوں میں اہم کردار نبھایا ہے۔ ان شہروں کے بازاروں میں ملک اور بیرون ملک کے تاجر خرید وفروخت کیا کرتے تھے۔ بیوپاری لوگ شہروں کی کھپت سے زیادہ تیار چیزوں کو دوسری جگہوں پر لے جاکر بیچنے لگے۔

اس عہد میں اندرونِ ملک (مقامی تجارت) تجارت کے فروغ کا سراغ ملتا ہے۔ ہر ایک قصبہ (چھوٹے شہر) میں ہاٹ یا بازار ہوتا تھا۔ اس کے علاوہ مقررہ وقت (ہفتہ وار یا ماہانہ یا سالانہ) میلوں میں تاجر آتے تھے اور چیزوں کی خرید و

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

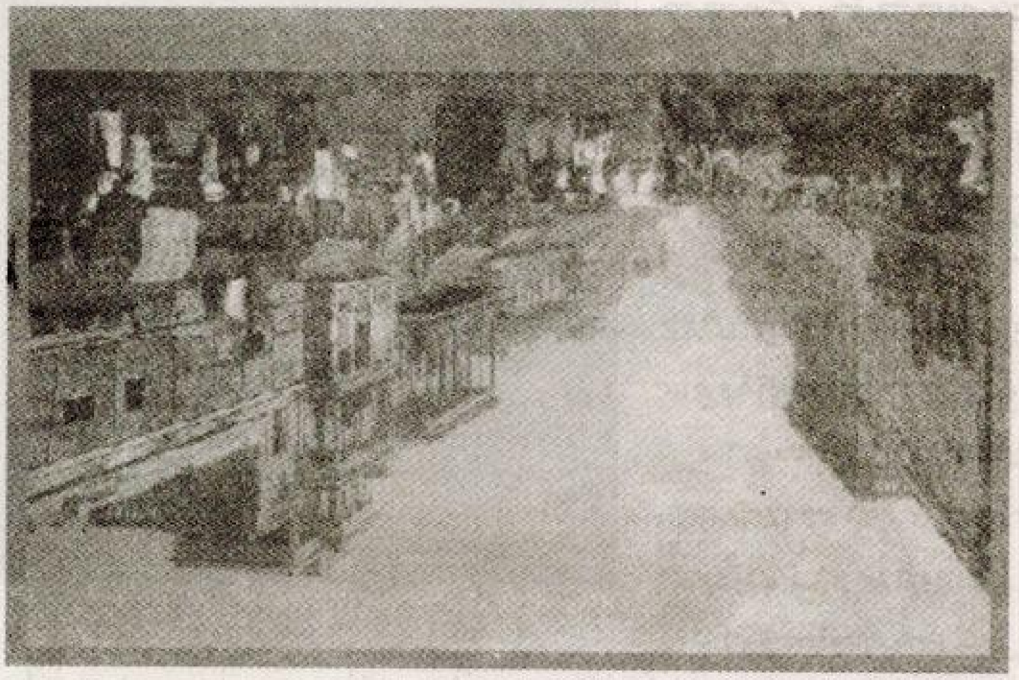

[illegible]

[illegible]

[illegible]

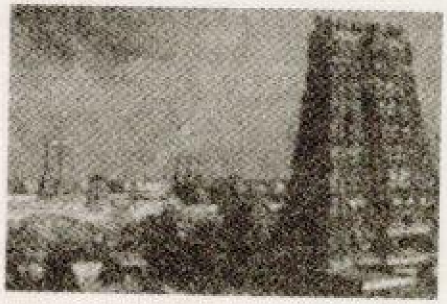

6

شہر، تجارت اور کاریگر

چیوتسنا اپنے والدین کے ساتھ مدورائی گھومنے کے لئے گئی تھی۔ وہاں مندروں، بازار کی رونقوں اور ریشم کی ساڑی پر کشیدہ کاری کرتے ہوئے کاریگروں کو دیکھ کر اس کے دل میں شہر کی ترقی و ترویج کی جانکاری حاصل کرنے کا خیال پیدا ہوا؟

شہروں کے مختلف روپ

گذشتہ سال آپ نے قدیم ہندوستان کے شہروں کے متعلق پڑھا تھا۔ آیئے اس دفعہ عہد وسطیٰ کے شہروں کے متعلق جانیں۔ اس وقت خاص طور سے چار طرح کے شہر دیکھنے کو ملتے ہیں۔ ان میں سے کچھ شہر انتظامیہ کے مرکز تھے۔ کچھ شہر کاروباری سرگرمیوں اور دستکاری کے لئے مشہور تھے۔ کچھ شہر زیارت اور مندروں کی وجہ سے اہم تھے۔ غیر ملکی تجارت کے سبب بندرگاہ والے شہروں کا فروغ ہوا۔ کئی شہر تو ایک ساتھ ہی شہروں کی درج بالا شکلوں کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے پھل پھول رہے تھے۔

انتظامی شہر

یہ شہر خاص طور سے انتظامیہ طبقہ کے مرکز یعنی راجدھانی تھے۔ ان شہروں میں کئی راج محل ہوتے تھے۔ اس میں حکام اور ان کے اہل خانہ، ماتحت، نوکر چاکر اور فوجی رہتے تھے۔ راج محل میں میٹنگ ہال بنے ہوتے تھے جہاں سے حکمراں (بادشاہ) کے ذریعہ رعایا اور ماتحت افسران کے لئے احکامات جاری کئے جاتے تھے۔

شہروں میں بازار ہوا کرتے تھے جہاں لوگوں کے لئے اناج، کپڑا، زیورات اور روزمرہ کے استعمال کی چیزیں

ہوئی۔ایک جھیل کے درمیان میں واقع آٹھ کونے والی شکل کا یہ مقبرہ چوکور چبوترے پر بنا ہے جس کے چاروں طرف سیڑھیاں ہیں۔اس کی چھت پر عظیم الشان گنبد ہے جو اپنے متوازن شکل اور اپنی سادگی کے لئے جانا جاتا ہے۔شیر شاہ نے اسے اپنی زندگی میں ہی تعمیر کروالیا تھا۔یہ عمارت ترک افغان فن تعمیر اور مغل فن تعمیر جس کے بارے میں آپ نے اسی باب میں پڑھا ہے، کے بیچ ایک نقطہ اتصال ہے۔اس نے مغلوں کے ذریعہ تعمیر شدہ عظیم عمارتوں کے لئے ایک مضبوط نشان واہ پیش کی تھی۔اس مقبرے کی مکمل خصوصیات کو مغلوں نے اپنی عمارتوں میں اپنا کر اس طرز کو فروغ دیا۔ شیر شاہ کا مقبرہ بہار کو فن تعمیر کے حلقہ میں ہندوستان میں ایک مخصوص پہچان دلاتا ہے۔

﴿ مشق ﴾

آیئے پھر سے یاد کریں

1 عہد وسطیٰ میں مندر تعمیر کے کتنے طرز موجود تھے؟

(الف) چار　　(ب) پانچ

(ج) تین　　(د) دو

2 بہار میں ناگر طرز میں بنے مندروں کی سب سے اچھی مثال کون سی ہے؟

(الف) مہابودھی مندر　　(ب) دیو کا سورج مندر

(ج) پٹنہ کا مہاویر مندر　　(د) گیا کا وشنو مندر

3 مسلمانوں کے ذریعہ بہار میں بنائی گئی سب سے اہم عمارت کون ہے؟

(الف) ملک بیا کا مقبرہ　　(ب) بیگو حجام کی مسجد

(ج) تلہاڑہ کی مسجد　　(د) منیر کا درگاہ

4 مغل عہد کا فن تعمیر اپنے عروج پر کب پہنچا۔

(الف) اکبر کے عہد میں　　(ب) جہانگیر کے عہد میں

(ج) شاہجہاں کے عہد میں　　(د) اورنگ زیب کے عہد میں

کھڑی چار میناریں ہیں۔اس میں سجاوٹ کا کام تو کم ہے لیکن سنگ مرمر کے خوبصورت جھروکھے جڑے ہوئے قیمتی پتھروں اور چھتریوں سے اس کی خوبصورتی بہت بڑھ گئی ہے۔ اس کے علاوہ اس کے چاروں طرف لگائے گئے سجے ہوئے باغ سے یہ اور بھی اثر دار لگتا ہے۔

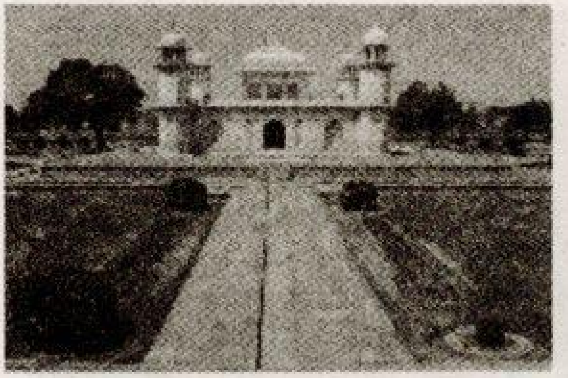

اعتمادالدولہ کا مقبرہ

اس دور میں آگرہ اور دلّی میں عظیم الشان مسجدوں کی تعمیر بھی کرائی گئی۔شاہجہاں نے دلّی میں شاہ جہان آباد نام کے نئے شہر کی بنیاد 1638ء میں ڈالی جہاں انتظامی عمارت کی شکل میں لال قلعہ کی تعمیر کروائی گئی۔ یہ قلعہ لال بلوا پتھر سے بنایا گیا جو اپنے تعمیری دور سے ہی طاقت اور حکومت کا مرکز بنا ہوا ہے۔

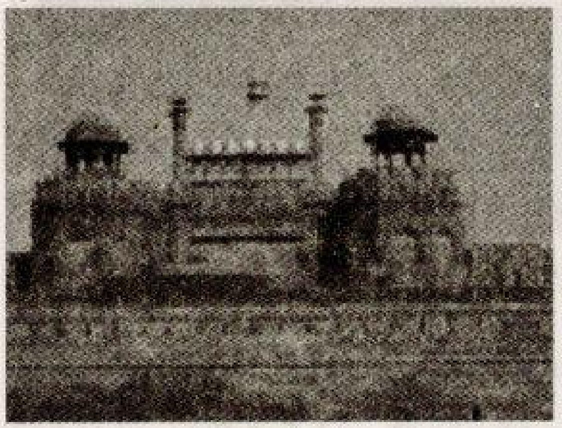

دہلی واقع لال قلعہ

شاہجہاں کے عہد میں تعمیری کام مسلسل چلتا رہا۔خصوصی طور پر آگرہ اور دہلی میں اس نے سب سے زیادہ دھیان عوامی اور خصوصی پال یعنی دیوان عام اور دیوان خاص کی تعمیر پر دیا۔تعمیر میں اس بات کا دھیان رکھا گیا کہ بادشاہ کے بیٹھنے کا تخت اونچا ہوتا کہ تمام لوگوں کی توجہ اس کی طرف رہے۔اس کے تخت کے پیچھے پتر ادورا کا جو کام کیا گیا ہے اس میں تصویر کاری بھی شامل ہے۔یہ اس کی طاقت، انصاف اور زمین پر خدا کا نمائندہ وغیرہ کا احساس دلانے کے مقصد سے تھا۔اورنگ زیب کے عہد حکومت میں فن تعمیر کی ترقی سست پڑ گئی۔حقیقت میں اس کی حکومت اپنے قابل حکمرانوں کی بہ نسبت بدامنی سے گذری۔اسے مسلسل داخلی بغاوتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ساتھ ہی حکومت کو نقصان پہنچانے والے کئی عوامل بھی اسی عہد میں ابھر کر سامنے آئے جس کے بارے میں آپ باب-4

اہم ترین عمارت بلند دروازہ ہے جو نصف گنبد گرز میں بنا ہے۔ ان عمارتوں کی تعمیر لال بلوا پتھر سے کی گئی۔ حکومت کی توسیع کے ساتھ اس کے ذرائع بھی بڑھے اس سے فن تعمیر کو فروغ بھی حاصل ہوا۔ جہانگیر کے عہد حکومت کے آخر میں پوری طرح سے سنگ مرمر پتھر سے عمارتیں بننے لگیں ان کی دیواروں پر قیمتی پتھروں کی نقاشی کی گئی۔ ہمایوں کا مقبرہ اور اعتماد الدولہ کا مقبرہ اس کی ایک اچھی مثال ہے۔ دونوں عمارت مغلیہ عہد کے عمارتوں میں ایک نئے طرز کا آغاز کیا گیا جیسے ہمایوں کے مقبرہ میں گنبد مکمل طور پر سنگ مرمر کا بنا ہے جس میں اونچا محراب دار داخلہ دروازہ کا استعمال بھی پہلی بار ہوا۔ اعتماد الدولہ کے مقبرہ میں پہلی بار پترادورا یا رنگین پتھروں سے پچکاری کا استعمال کیا گیا۔ تاج محل میں بھی اس کا پورا استعمال ہمیں نظر آیا ہے۔ اعتماد الدولہ نور جہاں کا باپ تھا جس کا اثر جہانگیر کے عہد میں نور جہاں کی وجہ سے بہت زیادہ رہا اور نور جہاں کی کوشش سے ہی یہ بنا تھا۔

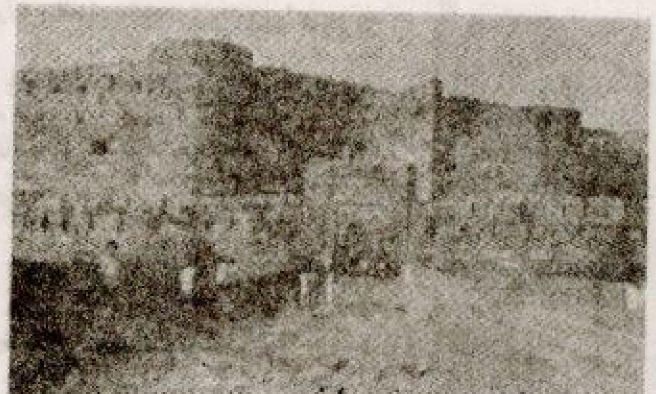

آگرہ کا قلعہ

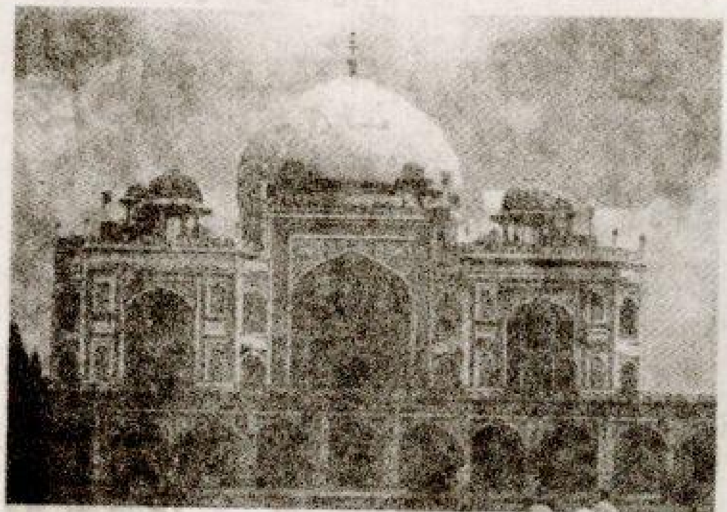

ہمایوں کا مقبرہ

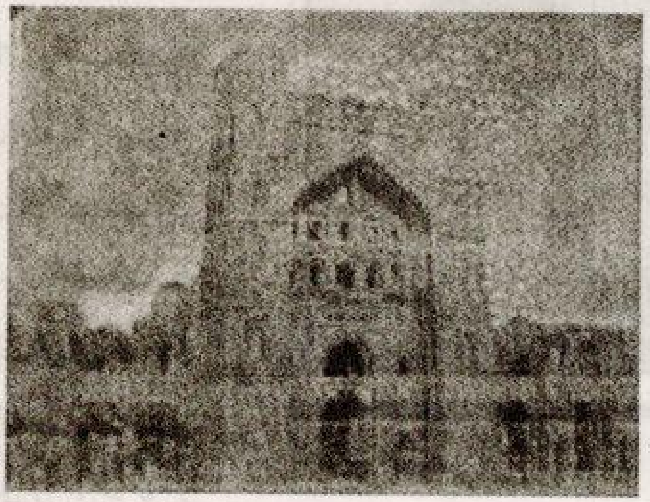

اٹالہ مسجد، جونپور

گجرات، بنگال، جونپور اور مالوہ کی۔ آپ یہ جانتے ہوں گے کہ بارہویں صدی میں ترک افغان طرز میں عمارتوں کی تعمیر شروع ہوئی جیسے بہار شریف میں واقع ملک ابراہیم یا ملک بیا کا مقبرہ، تلہاڑہ کی مسجد، بیگو حجام کی مسجد وغیرہ۔

''ملک بیا کا مقبرہ''

بہار میں ترک عہد کی سب سے اہم عمارت بہار شریف میں واقع ملک ابراہیم یا ملک بیا کا مقبرہ ہے۔ اس کی تعمیر 1353ء میں ہوئی۔ اس پر دتی کی تغلق طرز کا اثر ہے۔ اس کا سیکھ غیاث الدین تغلق کے مقبرہ سے لیا گیا ہے۔ اس میں ڈھلوان دیواریں اور گنبد بنائی گئیں ہیں۔ اس کی تعمیر اینٹوں سے ہوئی ہے۔ ملک ابراہیم مشہور صوفی سنت تھے۔ اس مقبرے کی تعمیر اس کے بیٹا سید داؤد کے ذریعہ کیا گیا۔

فن تعمیر کے فروغ کے تیسرے حصہ کے تحت مغل عہد میں بنی عمارتوں کو رکھا جاسکتا ہے۔ مغلوں نے عالیشان

نئے حکمراں طبقہ کی پہلی ضرورت تھی رہنے کے لئے عمارت اور اپنے حمایتیوں کے لئے عبادت خانے کی تعمیر۔ عبادت کی جگہ دستیاب کرانے کے لئے پہلے سے موجود کچھ مندروں اور دیگر عمارتوں کو مسجدوں میں تبدیل کیا گیا۔ ہندوستان میں بننے والا پہلا مسلم عبادت خانہ مسجد قوت الاسلام ہے جو دلی میں واقع قطب مینار کے احاطے میں ہے۔ اس دور میں محراب اور گنبد نام کے نئے تعمیری طرز کا استعمال بڑے پیمانے پر شروع ہوا۔ گنبد عمارتوں کو عظیم الشان بنا دیتا تھا تو محراب اسے مضبوطی عطا کرتا تھا۔ محراب کی دو شکلیں اس زمانے کے ہندوستان میں رائج ہوئیں۔ ان دونوں میں کچھ فرق ہے جسے ان کے نام کے ساتھ دیئے گئے تصویر سے آپ واضح کر سکتے ہیں۔

قطب مینار

طرز میں تبدیلی کے ساتھ ساتھ تعمیری سامانوں میں بھی نئی چیزیں آئیں۔ اب چونا پتھر اور سرخی کا استعمال بڑھنے لگا، یہ اعلیٰ درجے کا گاڑھا ہوتا تھا جو پتھر کے ٹکڑوں کے ملانے میں معاون ہوتا تھا۔ اس کی وجہ سے بڑی عمارتوں کی تعمیر آسان اور تیز ہوگئی۔ اس سے پہلے ہندوستان میں عمارتوں کو بنانے میں شہتیر کے استعمال کی بنیاد پر چھت کے طرز کو اپنایا جاتا تھا جس میں ایک وسیع عمارت کی تعمیر ممکن نہیں تھی۔

قطب مینار اسلامی قوت کی علامت ترکوں کی عظمت عمارت قطب مینار ہے اس کی تعمیر دلی سلطنت کے بانی قطب الدین ایبک کے ذریعہ شروع کی گئی۔ اس نے اسے صوفی سنت قطب الدین بختیار کاکی کی یاد میں بنوانا شروع کیا تھا۔ یہ پانچ منزلہ عمارت ہے، جس کی کل اونچائی 71.04 میٹر ہے۔

پہلی منزل کی تعمیر ایبک کے ذریعہ ہوئی تھی، اگلی تین منزل التمش نے 1229ء میں بنوایا۔ اس مینار کا سب سے اوپری حصہ بجلی گرنے کی وجہ سے ٹوٹ گیا تھا جس کی مرمت فیروز شاہ تغلق نے کروائی ساتھ ہی اسی نے اس میں ایک منزل اور جوڑا اس کی خاص کشش اس کے چھجے ہیں جو مینار سے جڑے ہوئے ہیں۔

لال اور سفید بالو پتھر اور سنگ مرمر سے اس کی تعمیر ہوئی ہے۔ قطب مینار کی تعمیر اسلامی طرز میں ہوئی۔

طرح مندر اور اس میں نصب شدہ دیوی دیوتا حکمراں اور اس کے معاونین کے ذریعہ حکومت کی ایک چھوٹی شکل تھی۔

دوسرے حصہ کے تحت تیرہویں سے سولہویں صدی کے بیچ بنی عمارتوں کو رکھتے ہیں۔

> **کونارک سوریہ مندر اور مینا کشی مندر کے اوپری حصہ میں کیا فرق ہے؟**

اس دور میں عمارتیں فن تعمیر کی سبھی علوم میں نئی ہیں اس کی تعمیر مسلمان حکمرانوں کے ذریعہ کی گئی تھی۔ اس دور میں ہندوستان میں ایک حکمراں خاندان (ترک افغان حکمراں خاندان) کی بنیاد پڑی۔

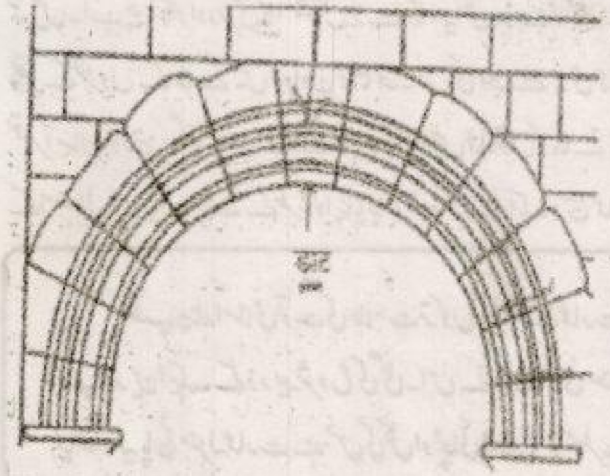

محراب کی بناوٹ ڈاٹ کی شکل میں

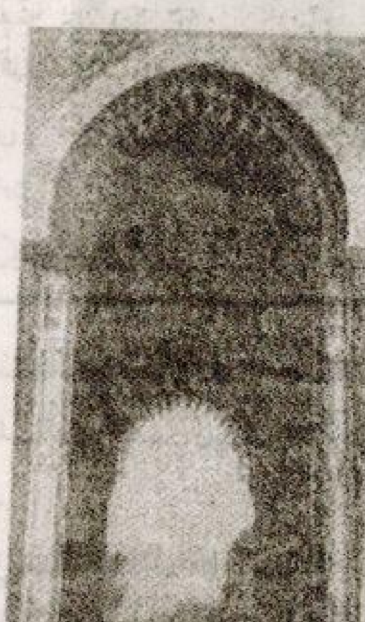

محراب تعمیر کی توڑا تکنیک

SARVA SHIKSHA - 2014-15 (FREE)

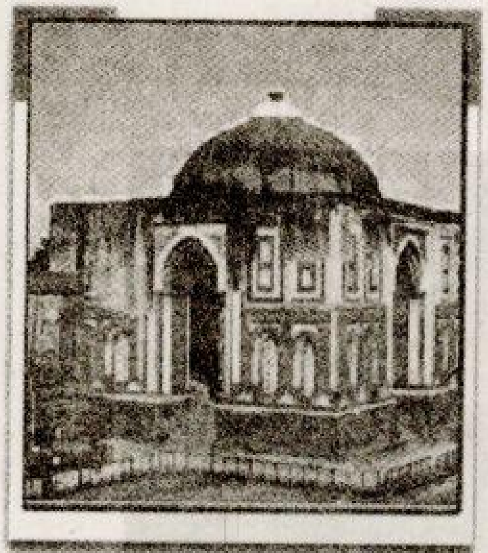

علائی دروازہ

محراب کے سائنسی اصول کا پہلی بار استعمال قطب مینار کے داخلہ کے دروازہ علائی دروازہ میں دیکھتے ہیں جہاں یہ قطب مینار کے احاطہ میں واقع ہے۔ اسلامی طرز کے محراب کی تعمیر کے لئے یہ عمارت ہندوستان میں مشہور ہے۔ تغلق عہد میں فن تعمیر میں غیاث الدین کا مقبرہ ایک نئے طرز کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اس میں ہندوستانی اور اسلامی طرزوں کا ایک خوبصورت اور متوازن امتزاج ہے۔ تغلق عہد میں عمارتوں کی تعمیر بڑے پیمانے پر ہوئی۔ عمارت اونچے چبوترے پر اور گنبد سنگ مرمر کا بنایا گیا ہے۔

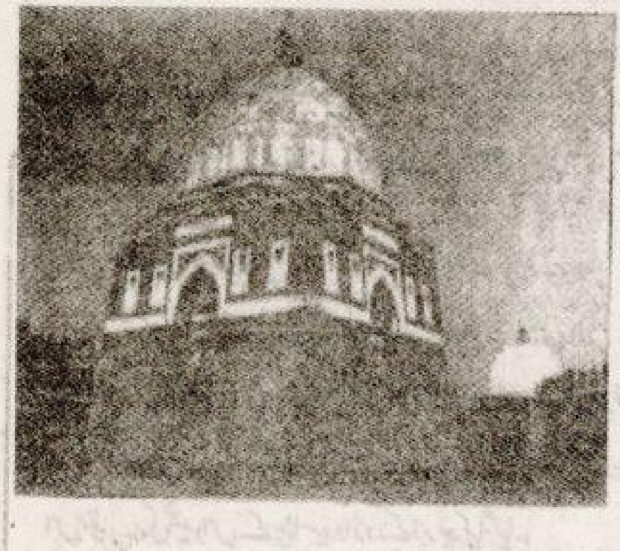

تغلق آباد میں غیاث الدین تغلق کا مقبرہ

دتی سلطنت کے کمزور ہونے کے ساتھ ساتھ وہاں کے فنکار دیگر حلقوں میں ہجرت کر گئے۔ وہاں مقامی حکمرانوں نے جن کا طلوع سلطنت عہد کے زوال کے بعد ہوا ان فنکاروں کو تحفظ عطا کیا۔ ان صوبوں میں مقامی خصوصیات کو اخذ کر کے فن تعمیر کو کافی فروغ دیا گیا۔ ایسی مقامی حکومتیں جنھوں نے فن کو بہت تحفظ دیا وہ تھیں

عمارتوں، قلعوں، شاندار دروازوں، مسجدوں اور باغات کی تعمیر کروائی۔ مغل حکمرانوں نے ذاتی سطح پر خصوصی دلچسپی دکھائی جس میں شاہجہاں بادشاہ سب سے آگے ہیں۔ مغل فن کی ابتدائی شکل باغوں کی تعمیر میں نظر آتی ہے۔اس کی ابتداء بابر کے زمانے میں ہوئی۔ اس نے اپنی خودنوشت میں اسی طور پر باغوں کے منصوبے اوران کے بنانے میں اپنی دلچسپی کا بیان کیا ہے۔ باغات دیوار سے گھرے ہوئے تھے اور مصنوعی نہروں کے ذریعہ چار حصوں میں تقسیم مستطیل نما احاطے میں واقع تھے۔ چار برابر حصوں میں تقسیم ہونے کی وجہ سے یہ چارباغ کہلاتے تھے۔ کچھ خوبصورت ترین چار باغوں کو کشمیر، آگرہ اور دلّی میں جہانگیر اور شاہ جہاں نے بنوایا تھا۔

مغل فن تعمیر کا منظم اور حقیقی فروغ اکبر کے زمانے میں ہوا۔ اکبر کے ذریعہ تعمیر شدہ عمارتوں میں اسلامی، ہندو، بودھ اور جین اور مقامی فنکاروں کی شمولیت بھی ہوئی ہے۔اس نے آگرہ اور فتح پور سیکری میں قلعے اور محلوں کی تعمیر کروایا۔ یہاں کی سب سے

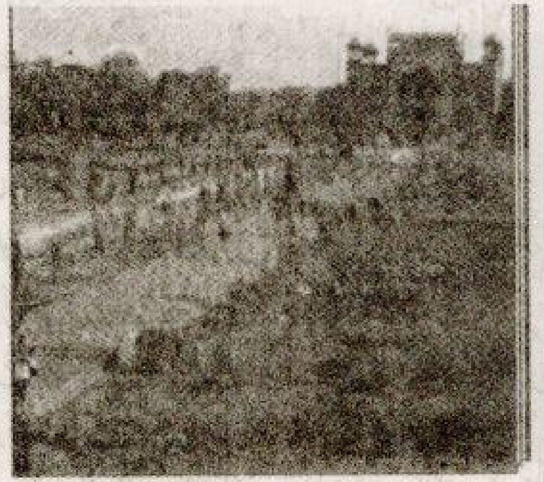

ہمایوں کے مقبرہ میں واقع چار باغ

بلند دروازہ

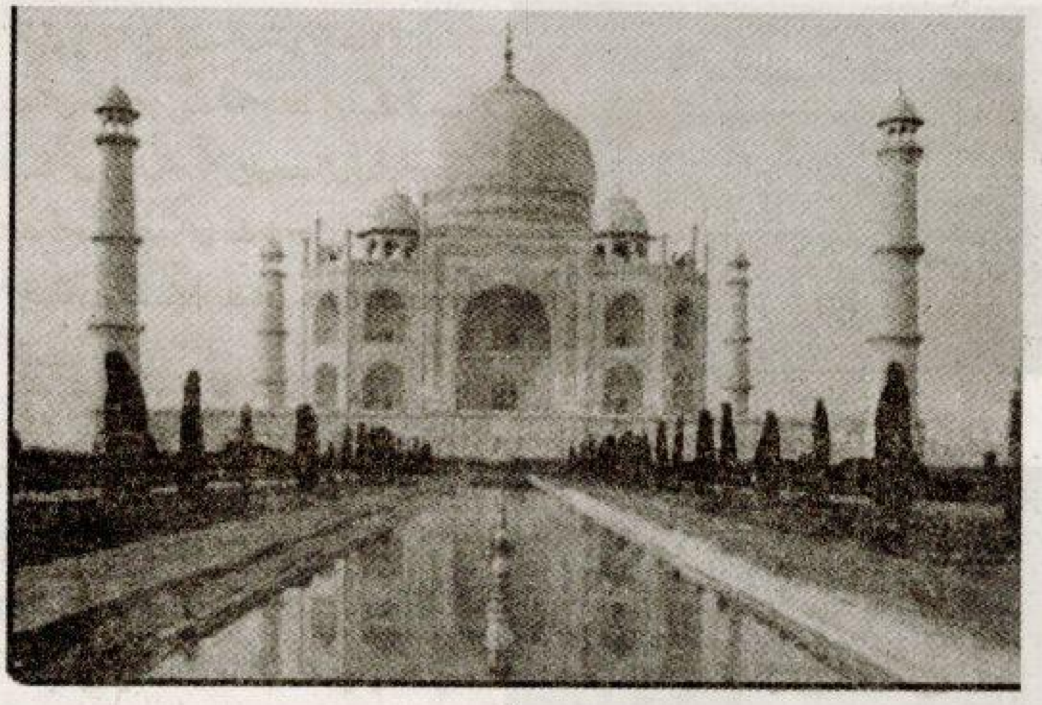

تاج محل

شاہجہاں کے عہد حکومت میں مغل عہد کے عظیم عمارتوں کو بنایا گیا۔ یہ عہد نسبتاً پرامن اور حکومت کی سطح پر بھی کافی خوشحال تھا۔ اگرچہ رعایا اس عہد میں زیادہ پریشان رہی کیونکہ سب سے زیادہ قحط اسی عہد میں ہوئے۔ اس زمانے میں بننے والی عظیم الشان عمارتوں کے پیچھے ایک دلیل یہ دی جاتی ہے کہ رعایا کو دشواریوں سے نکالنے کے مقصد سے شاہ جہاں وسیع پیمانے پر عمارتوں کی تعمیر کرارہا تھا تاکہ لوگوں کو طویل مدت تک کام ملتا رہے۔ اس عہد میں بننے والی عمارتوں میں سنگ مرمر کا استعمال بڑے پیمانے پر کیا گیا۔ ساتھ ہی ستونوں اور دیواروں پر ہیروں سے جڑے نقاشی کا (پترادورا) استعمال بھی خوب کیا گیا۔ ان دونوں کے استعمال سے تعمیر شدہ تاج محل فن تعمیر کا ایک بے مثال نمونہ بن گیا ہے۔ اس کی اہم خصوصیت اس کا عظیم الشان گنبد اور خاص عمارت کے چبوترے کے کنارے پر

> **پترادوُرا۔۔۔ اُنکیرن سنگ مرمر یا بلوا پتھر پر رنگین ٹھوس پتھروں کو دبا کر بنائے گئے خوبصورت اور نقش دار نمونے**

میں مغلیہ حکومت کے زوال کے عوامل کی شکل میں پڑھ چکے ہیں۔ اورنگ زیب نے لال قلعہ میں موت مسجد اور اپنی بیوی کی یاد میں مہاراشٹر کے اورنگ آباد میں بیوی کا مقبرہ بنوایا لیکن یہ عمارت مغلیہ عہد کے اس عظمت کو ظاہر نہیں کرتے جو اس کی خصوصیت تھی۔

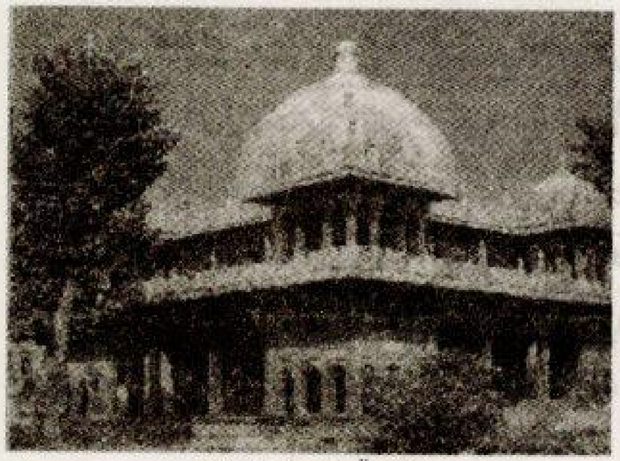

منیر واقع شاہ دولت کا مقبرہ

مغل طرز کا بہار میں سب سے خوبصورت مثال 1617ء میں تعمیر شدہ منیر میں واقع شاہ دولت کا مقبرہ ہے جسے جہانگیر کے زمانے میں بہار کے صوبہ دار ابراہیم خان کاکر نے بنوایا تھا۔ اس کی تعمیر لال بلوا پتھر سے ہوئی ہے۔ اس میں اکبر کے عہد کے مغل طرز کی تمام خصوصیات نظر آتی ہیں۔ مغل فن تعمیر کا طرز اور روایت اٹھارہویں اور انیسویں صدی میں نئے منظم صوبوں کی سرپرستی میں جاری رہا۔ اس کی ایک اچھی مثال اودھ کے نوابوں کے ذریعہ لکھنو میں تعمیر شدہ عمارتیں ہیں۔

سہرام میں واقع شیر شاہ کا مقبرہ

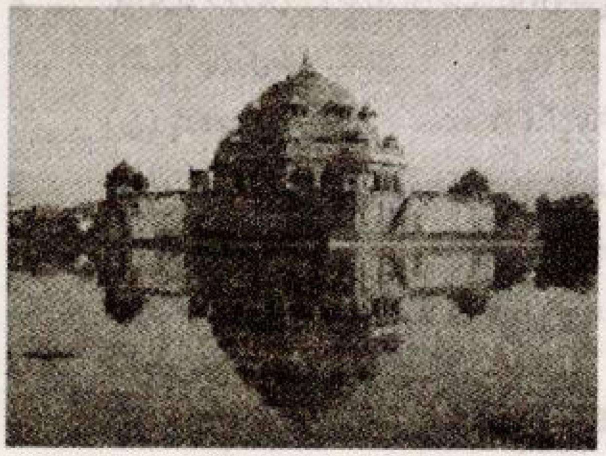

سہرام میں شیر شاہ کا مقبرہ

بہار کے سہرام میں تین مقبروں کی تعمیر سولہویں صدی میں شیر شاہ اور اس کے بیٹوں کے ذریعہ کروائی گئی۔ اس میں شیر شاہ کا مقبرہ جو افغان طرز میں تعمیر شدہ ہے جو فن تعمیر میں اپنی خصوصی اہمیت رکھتا ہے۔ یہ پورے ہندوستان میں افغانی طرز کا بہترین نمونہ ہے۔ یہ عمارت 1545ء میں بن کر تیار

5 شاہ جہاں نے لال قلعہ کی تعمیر دلّی میں کس سال کروائی؟

(الف) 1638ء　　(ب) 1642ء

(ج) 1636ء　　(د) 1650ء

آیئے یاد کریں-صحیح اور غلط کی پہچان کریں

(i) شمالی ہند میں مندر تعمیر کی دروڑ طرز رائج تھی۔

(ii) کونارک کا سورج مندر بنگال میں واقع ہے۔

(iii) مغل عہد کی فن تعمیر اکبر کے عہد حکومت میں اپنی ترقی کے عروج پر پہنچ گیا۔

(iv) شیر شاہ کا مقبرہ سلطنت عہد اور مغل عہد کے فن تعمیر کے بیچ ثالثی کا کردار نبھاتا ہے۔

(v) بہار میں مسلم عبادت گاہوں کے تعمیر کی پہلی مثال بیگو حجام کی مسجد ہے۔

آیئے غور کریں

1 مندروں کی تعمیر میں راجاؤں کی اہمیت کا علم کیسے ہوتا ہے؟

2 موجودہ عمارت اور عہد وسطیٰ کی عمارتوں میں استعمال میں لانے والی سامان کے معیار میں آپ کیا فرق دیکھتے ہیں۔

3 مندر تعمیر کی ناگر اور دروڑ طرزوں میں فرق کو واضح کریں۔

آیئے کر کے دیکھیں

1 اپنے آس پاس کسی ایسی عمارت یا عبادت گاہ کا پتہ لگایئے جو طرز کے سطح پر عہد وسطیٰ کے مندروں، مسجدوں یا مقبروں میں یکسانیت رکھتے ہوں۔

2 اپنے آس پاس کسی پارک یا باغ کی سیر کر کے اس کو بیان کریں اور یہ بھی بتائیں کہ کس معنی میں یہ مغلیہ عہد کے باغات سے مختلف ہے؟

فروخت ہوتی تھیں۔ دلّی کے سلاطین اور مغل حکمرانوں نے ذاتی اور ملکی ضرورت کی چیزوں کی فراہمی کے لئے شاہی کارخانوں کی تعمیر کئے تھے (کارخانوں کے متعلق آگے مطالعہ کریں گے) اس طرح کے شہروں میں جنوبی ہندوستان میں کانچی پورم، مدورائی تنجاور اور شمالی ہندوستان میں دہلی، آگرہ، لاہور جیسے شہروں کے نام لئے جا سکتے ہیں۔

مندر، شہر اور زیارت گاہیں

جنوبی ہند میں حکمراں، تاجروں اور دولت مند لوگوں کے ذریعے دیوی، دیوتاؤں کے تئیں اپنی عقیدت، یقین اور بھکتی کو ظاہر کرنے کے لئے مندر بنایا جاتا تھا اور گاؤں کا گاؤں دان کر دیا جاتا تھا۔ اس لئے مندروں کے پاس کافی پیسے اور جائیداد جمع ہو گئے تھے۔ مندروں کی دیکھ بھال کرنے والوں نے مندر کے سرمایے کو تاجروں کو قرض دینے میں استعمال کئے تھے۔ اس طرح ان پاکیزہ مقامات نے ایک مخصوص علاقے کے کاروبار کو آگے بڑھانے میں بڑا کام کیا کیونکہ اس وقت مندر ہی قیمتی اشیاء کے سب سے بڑے خریدار اور صارف تھے۔ دھیرے دھیرے بڑی تعداد میں ماہر کاریگر وار بیوپاری مندروں کی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے مندر کے نزدیک بستے گئے۔ جنوبی ہند میں آٹھویں سے بارہویں صدی کے دوران تنجاور، کانچی پورم، تروپتی وغیرہ شہروں کا فروغ اسی طرح سے ہوا۔

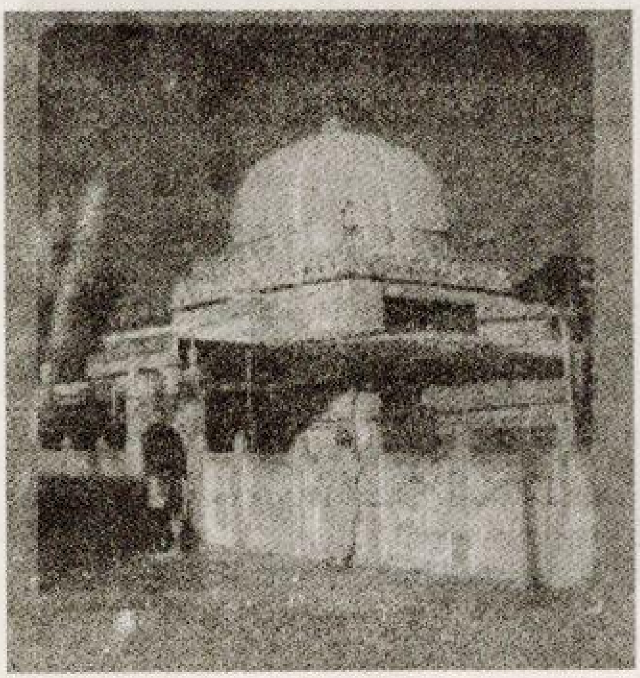

تصویر:1 اجمیر شریف

بھکتی تحریک کے پھیلنے کے سبب زیارت گاہوں اور تیرتھوں کی اہمیت بڑھی۔ مذہبی عقیدت کے پاکیزہ مقامات پر

SARVA SHIKSHA - 2014-15 (FREE)

بندرگاہ شہر

شہروں کے تیار مال کو دوسرے دیشوں میں لے جانے کے لئے سمندر کے ساحلی علاقوں میں حکمرانوں اور تاجروں کے ذریعے بندرگاہوں کا فروغ کیا گیا۔ انجوبن، منی گرامم، نانا دیسی جیسے کاروباری لوگوں کی وجہ سے ساحلی بستیوں کی اہمیت بڑھی۔ حکمرانوں کے مخصوص فرمانوں کے ذریعے غیر ملکیوں (یہودیوں، عیسائیوں، عرب باشندوں) کو ساحلی شہروں میں بسنے اور تجارت کرنے کی چھوٹ دی گئی۔ گجرات جہاں جین تاجروں کا بول بالا تھا، مغربی ہند کا خاص کاروباری مرکز تھا۔ یہاں کے بندرگاہ بھڑوچ اور سورت عہد وسطی میں تجارتی مرکز کے روپ میں پھلے پھولے۔

ہندوستان کے مغربی ساحل کا عرب، فارس کی کھاڑی اور اس کے آگے کے ملکوں کے ساتھ کاروباری تعلق تھا۔ دسویں سے بارہویں صدی کے درمیان تھانا، گووا، بھٹکل، منگلور، کوچین جیسے بندرگاہ کا فروغ لمبی دوری کی تجارت کے سبب ہوا۔ مشرقی کنارے میں واقع مشہور بندرگاہ ہگلی، موٹوپلی، مکسولی پٹنم، جنوبی مشرقی تجارت کا باب خاص ثابت ہوا۔ عربی گھوڑوں کے تاجروں کی وجہ سے کرناٹک اور کیرل کے ساحلی شہروں کی اہمیت بڑھ گئی۔ یوروپی تاجروں کی آمد کے ساتھ مغربی اور مشرقی ساحل سمندر پر کئی نئے بندرگاہ اور شہر نمودار ہوئے جو دھیرے دھیرے ان کے فوجی اور انتظامی مراکز میں تبدیل ہوگئے۔ بمبئی، کلکتہ اور مدراس اس کی خاص مثال تھے۔

شہری پس منظر

زیادہ تر شہر ایک چہار دیواری سے گھرے ہوئے تھے۔ اس میں ایک یا زیادہ داخلے کے دروازے ہوتے تھے۔ شہر کی بیشتر آبادی اس چہار دیواری کے اندر ہوتی تھی۔ منصوبہ بند طریقے سے بسائے گئے شہروں میں بازار الگ سے بنائے جاتے تھے۔ کئی بازار کسی خاص شے کی خرید و فروخت کے لئے جانے جاتے تھے۔ شہر کئی محلوں میں بنٹے ہوتے تھے۔ زیادہ تر محلے کسی خاص ذات یا کاروبار کے نام سے مشہور تھے۔ مثال کے طور پر کنجڑی محلہ (سبزی بیچنے والے)، موچی باڑا (جوتے بنانے والے)، محلہ جرگ ران (سونار)، کوچہ رنگریز (کپڑے رنگنے والے)۔

شہروں میں مختلف ذات، مذہب اور کاروبار کے لوگ رہتے تھے۔ حاکم، امیر اور تاجر شہروں کے سب سے دولت مند لوگ ہوتے تھے۔ شہر کے زیادہ تر لوگ اوسط طبقے کے ہوتے تھے۔ اس طبقے میں چھوٹے منصب دار، عملے، دکاندار،

فروخت ہوتی تھی۔ پھیری لگا کر مال بیچنے والے تاجروں کا ایک طبقہ تھا، جو لوگوں کی ضرورتوں کو پوری کرتا تھا۔اس کے علاوہ راجپوتانہ علاقے کے بنجارے اناج، نمک، چینی، مکھن وغیرہ سینکڑوں بیلوں پر لاد کر ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جاتے تھے۔ بنجارے گھومتے پھرتے تاجر تھے۔ان کا کارواں ٹانڈا کہلاتا تھا۔ باب 3 میں پڑھے ہوں گے کہ علاء الدین خلجی بنجاروں کا استعمال شہر کے بازاروں تک اناج کی ڈھلائی کے لئے کرتے تھے۔ بادشاہ جہانگیر نے اپنی آپ بیتی ''تزک جہانگیری'' میں لکھا ہے کہ بنجارے مختلف علاقوں سے اناج لے جاکر شہروں میں بیچا کرتے تھے۔ وہ مغلوں کے فوجی مہم کے دوران فوجیوں کے لئے اشیاءِ خوردنی کی ڈھلائی کا کام بھی کرتے تھے۔

بنجارے

سترہویں صدی کے آغاز میں ہندوستان کے آنے والے ایک انگریز تاجر پیٹر منڈی نے بنجاروں کے متعلق لکھا ہے:-

''صبح ہماری ملاقات بنجاروں کے ایک ٹانڈا سے ہوئی جس میں 14000 بیل تھے، سارے مویشی گیہوں اور چاول جیسے اناجوں سے لدے ہوئے تھے...... یہ بنجارے لوگ اپنی گھر گرہستی، بیوی اور بچے اپنے ساتھ لے کر چلتے ہیں۔ایک ٹانڈا میں کئی خاندان ہوتے ہیں۔ان کے جینے کا طریقہ ان محنت کشوں سے ملتا جلتا ہے جو لگاتار ایک جگہ سے دوسری جگہ جاتے رہتے ہیں۔ گائے بیل ان کے اپنے ہوتے ہیں۔کئی دفعہ وہ سوداگروں کے ذریعے اجرت پر مامور کئے جاتے ہیں لیکن زیادہ تر وہ خود سوداگر ہوتے ہیں۔ جہاں اناج سستا ملتا ہے وہاں سے وہ خریدتے ہیں اور اس جگہ لے جاکر فروخت کرتے ہیں جہاں مہنگا بکتا ہے۔ وہاں سے وہ پھر ایسی چیزیں لادتے ہیں جو کسی اور جگہ منافع کے ساتھ بیچی جا سکتی ہیں...... ٹانڈا میں چھ سے سات سو لوگ ہو سکتے ہیں...... وہ ایک دن میں چھ یا سات میل سے زیادہ سفر نہیں کرتے...... یہاں تک کہ ٹھنڈے اور اچھے موسم میں بھی وہ اپنے گائے بیلوں پر سے سامان اتارنے کے بعد انہیں چرنے کے لئے کھلا چھوڑ دیتے ہیں کیونکہ یہاں بہت ہے اور انہیں روکنے والا کوئی نہیں ہے۔''

SARVA SHIKSHA - 2014-15 (FREE)

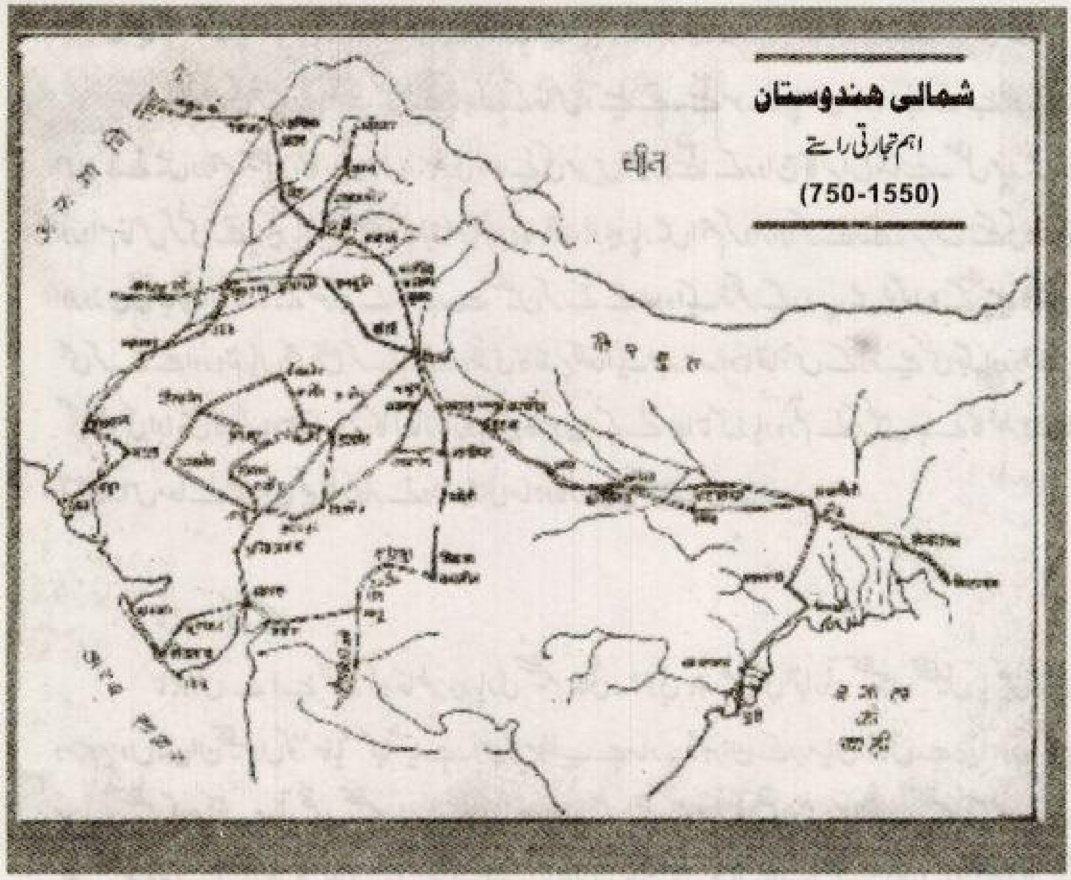

نقشہ: 4 تجارتی راستے

نقشہ 4 دیکھ کر مختلف شہروں اور بندرگاہوں کو جوڑنے والے راستوں کی پہچان کریں۔

سڑکوں کے علاوہ ہندوستان کے مغربی اور مشرقی ساحلوں کے ساتھ لگے سمندری راستوں نے بھی غیر ملکی تجارتی تعلقات کو بڑھانے میں اہم کردار نبھایا۔ میدانی علاقوں میں سامانوں کو لانے لے جانے کا خاص وسیلہ بیل گاڑیاں تھیں لیکن جہاں یہ نہیں چل پاتی تھیں وہاں سامانوں کو ڈھونے کے لئے بیل، کھچر، اونٹ اور آدمیوں کا استعمال کیا جاتا تھا۔ ناؤں کا

تصویر: 5 کپڑے پر نقاشی کرتا ہوا کاریگر

شہروں کے کاریگر

دورِ وسطیٰ کے شہروں میں کاریگر (نقاش) اپنے آرٹ کو برقرار رکھے ہوئے تھے۔ زیادہ تر کاروبار مقامی ہوتے تھے جو نسل در نسل منتقل کیے جاتے تھے۔ کئی شہر اپنے خاص پیداواروں کے لئے مشہور تھے۔ اس کے علاوہ سرکاری کارخانے بھی تھے جو دہلی کے سلطانوں اور مغل بادشاہوں کے ذریعہ قائم کیے گئے تھے۔ ان کارخانوں میں حکمراں، ان کے خاندان اور حکومتی ضروریات کی چیزیں بنائی جاتی تھیں۔

تصویر: 6 بیدری دست کاری کا ایک نمونہ

تصویر: 7 نٹراج کا کانسے کا مجسمہ

برتنوں پر سونے چاندی کے خوبصورت جڑاؤ کے کام کے لئے بے حد مشہور تھا۔ پانچال خاندان، جس میں سنار، کسیرے، لوہار، راج منتری اور بڑھئی شامل تھے وہ مندروں، راج محلوں اور عمارتوں کی تعمیر میں اہم رول نبھاتے تھے۔ چول عہد میں کانسے کی بنی مورتیاں کاریگری کی بہترین مثالیں تھیں۔ چول کانسے کی مورتیاں مومی ترکیبوں سے بناتے تھے۔

مومی تکنیک

اس تکنیک کے تحت سب سے پہلے موم کی ایک مورتی بنائی جاتی تھی۔ اس کے اوپر مٹی کی تہہ چڑھائی جاتی تھی۔ اس کے بعد اسے سوکھنے کے لئے چھوڑ دیا جاتا تھا۔ سوکھنے کے بعد اسے گرم کیا جاتا تھا، جس سے موم پگھل جاتا تھا اور سانچہ رہ جاتا تھا۔ سانچے میں پگھلی ہوئی دھات بھر دی جاتی تھی۔ دھات ٹھنڈی ہو کر جب ٹھوس ہو جاتی تھی تو مٹی کو احتیاط سے ہٹا دیا جاتا تھا اور اس میں سے نکلی مورتی کو پالش کر چمکا دیا جاتا تھا۔

☆ کیا آج دھات کی مورتیاں اسی تکنیک سے بنائی جاتی ہیں؟ پتا کیجئے۔

ایسٹ انڈیا کمپنی

اس کے تحت کئی بیوپاری ایک ساتھ مل کر ساجھے داری میں کمپنی بناتے تھے۔ کسی بھی تجارتی سرگرمی سے جڑے نفع نقصان میں وہ بھی برابر کے حصہ دار ہوتے تھے۔

سترہویں صدی میں یورپ کے دوسرے ملک جیسے برطانیہ، ہالینڈ (ڈچ) اور فرانس کے تاجروں نے ہندوستان کے ساتھ تجارت کرنے کے لئے ایسٹ انڈیا کمپنی بنائی۔ ان یوروپی کمپنیوں نے تجارت کی سہولت کے لئے ہندوستان کے مختلف شہروں اور ساحلی علاقوں میں فیکٹریاں (گودام) بنائیں۔ تجارتی فیکٹریوں کو بنانے کے لئے انہوں نے ہندوستانی حکمرانوں کی اجازت حاصل کی تھی۔ یوروپی کمپنیوں کے بیوپار کے پھیلاؤ سے پرتگالیوں کے تجارتی کام کم ہونے لگے۔

یورپی کمپنیاں اپنے تجارتی فائدے کے لئے آپس میں مقابلہ کرنے لگیں۔ انہیں ہندوستانی راجاؤں اور تاجروں سے بھی مقابلہ کرنا پڑتا تھا۔ بالآخر اس مقابلے میں انگریزی ایسٹ انڈیا کمپنی (انگلینڈ کے تاجر) کامیاب رہی اور ہندوستان میں بیشتر کامیاب سیاسی اور تجارتی طاقت کی شکل میں ابھر کر سامنے آئیں۔

یوروپی تاجروں کی آمد کے بعد یوروپ کے ملکوں میں ہندوستانی سوتی کپڑے کی مانگ میں تیزی آئی۔ زیادہ سے زیادہ لوگوں نے کپڑا بنانے سے متعلق کاموں جیسے کتائی، بنائی، دھلائی وغیرہ کاروبار کو اپنا لیا۔ لیکن اس دور میں دستکاری کی آزادی کم ہونے لگی۔ یوروپی کمپنیاں ہندوستان کے دستکاروں اور کاریگروں کو پیشگی رقم دیتیں تھیں اور ان سے انہیں چیزوں کی پیداوار تیار کرواتی تھیں جن کی مانگ یوروپ کے ملکوں میں زیادہ تھی۔ اس کام میں ہندوستانی تجارتی یوروپی کمپنیوں کے ایجنٹ کے روپ میں کام کرتے تھے۔ اسے ''دادنی'' کہا جاتا تھا۔

نقشہ 8 کو دیکھیں اور بتائیں کہ ہندوستان سے غیر ملکوں کو جانے اور غیر ممالک سے ہندوستان آنے والی کون سی چیزیں تھیں؟

شہروں کے بدلتے رنگ روپ

انگریزی ایسٹ انڈیا کمپنی نے اپنی تجارتی سرگرمیوں کو جاری رکھنے کے لئے کلکتہ، مدراس اور بمبئی میں فیکٹریاں

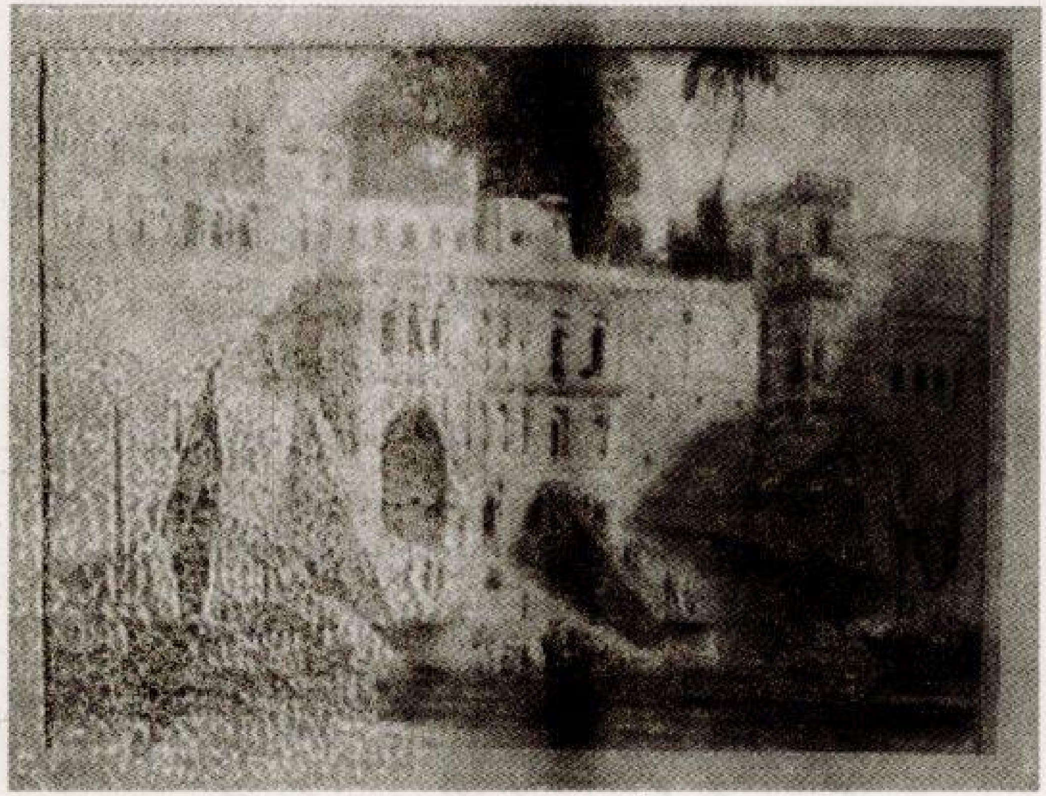

تصویر: 9 گنگا کے کنارے پٹنہ

افغان مغل دور میں صوبہ بہار کا ایک ناظم یا صوبے دار ہوتا تھا۔ 1704ء میں اورنگ زیب کے پوتا عظیم بہار کے صوبے دار بنے۔ عظیم نے پٹنہ کو نئے طریقے سے بسایا اور اسے عظیم آباد کا نام دیا۔ انہوں نے محلوں کو بسانے کا کام اس طرح کیا کہ عظیم آباد کی خوبصورتی بڑھ گئی۔ لودھیوں کے محلے کا نام **لودھی کٹرہ** پڑا۔ اس محلے کے پاس جہاں مغل افسران رہتے تھے اسے **مغل پورہ** کہا گیا۔ شیر شاہ کے خاندان کے رہنے کی جگہ کیواں **شکوہ** کے نام سے جانا جاتا ہے۔ علماء، ادیب، شاعر کا محلہ **میدان فصاحت** کہلایا۔ صدر الصدور کی رہائش **صدر گلی** کے نام سے مشہور ہے۔ ہندو امراء کے نام سے **دیوان محلہ** آباد ہوا۔

عظیم کے دور میں یہاں سے بنائے گئے سکوں پر عظیم آباد لفظ کا استعمال کیا گیا۔ پٹنہ شہر کے مشرقی سرحد پر مال سلامی محلہ، مغل عہد میں تجارتی سامان اور مال پر چنگی (سلامی) کی وصولی کا مرکز تھا۔

﴿ مشق ﴾

آیئے پھر سے یاد کریں

1 حکمراں، تاجر اور دولت مند لوگ مندر کیوں بناتے تھے؟

2 شہروں میں کون کون سے لوگ رہتے تھے۔

3 تجارتی سامانوں کے ذرائع نقل و حمل کے کیا ذرائع تھے؟

4 سترہویں صدی میں کن یوروپی تجارتی کمپنیوں کا ہندوستان میں آنا ہوا؟

5 دونوں کالم کو صحیح صحیح ملایئے

(الف)	مندر نگر	(i)	دلی
(ب)	تیرتھ مقامات	(ii)	تروپتی
(ج)	انتظامی شہر	(iii)	گوا
(د)	بندرگاہ شہر	(iv)	پٹنہ
(ہ)	کاروباری شہر	(v)	پشکر

آیئے سمجھیں

6 عہد وسطیٰ کے ہندوستان میں درآمد کی چیزوں کی فہرست بنایئے؟

7 ہندوستان میں یوروپی تجارتی کمپنیوں کی آمد کے اسباب کی وضاحت کیجئے؟

8 مندروں کے اطراف میں شہر کیوں بسے؟

SARVA SHIKSHA - 2014-15 (FREE)

7 سماجی وتہذیبی فروغ

بچو! آپ نے اپنے گاؤں یا محلے میں الگ الگ ذات، مذہب یا فرقے کے لوگوں کو ایک ساتھ رہتے ہوئے دیکھا ہوگا۔ کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ ان کے کھانے پینے، رہنے سہنے اور سوچنے سمجھنے میں کون کون سی یکسانیت اور کون کون سے فرق ہیں؟ آپ کو یہ جاننے کی کوشش ضرور کرنی چاہئے کہ الگ الگ ذات اور مذہب کے ہوتے ہوئے بھی یہ سبھی لوگ ایک دوسرے کے اتنے قریب کیسے آئے؟

مختلف مذہب میں پائی جانے والی یکساں اور غیر یکساں چیزوں اور کاموں کی فہرست بنائیں

مذہب کے نام	یکسانیت	فرق

اسلام کا ہندوستانی تہذیب سے اشتراک

ہندوستان میں قدیم زمانے سے ہی تہذیبی میل جول (اشتراک) کی مستحکم روایت رہی ہے۔ جیسا کہ آپ چھٹی جماعت میں پڑھ چکے ہیں، یہاں عہد قدیم میں آریوں، شکوں، کشانوں اور ہنوں وغیرہ کی آمد ہوئی۔ یہ سبھی دوسرے ممالک

پڑا۔ان لوگوں کے ذریعہ بغیر کسی رکاوٹ کے پورے ہندوستان میں اپنے خیالات وافکار کو پھیلانے کا کام کیا گیا۔ان پر ایک دوسرے کے نظریات وخیالات کے اثرات واضح طور پر دیکھنے کو ملتے ہیں، جیسا کہ آپ اسی باب میں دیکھیں گے۔ترک حکومت کے قیام کے ساتھ ہی مذہب اسلام کے ماننے والے ایرانی، افغانی اور خراسانی لوگ بھی ہندوستان میں بڑی تعداد میں آکر بسے۔ان لوگوں نے منگولوں کے خوف سے ہندوستان کی طرف اپنا رخ کیا۔

ترکوں کے سیاسی غلبہ کے تین چار سو سال بعد مغل دور میں اکبر کے ذریعہ اپنائے گئے مذہبی وسیع المشربی نے ہندوؤں اور مسلمانوں کو ایک دوسرے کے قریب کیا۔حالانکہ وسیع المشربی کی ان پالیسیوں کو بعد کے حکمرانوں نے پوری طرح نہیں اپنایا۔

کیا آپ جانتے ہیں ؟

بہار میں ترکوں کی حکومت کے پہلے صوفیوں کی آمد ہو چکی تھی۔منیر میں آکر بسنے والے امام تاج فقیہ بہار کے پہلے صوفی سنت تھے۔ان کے علاوہ حاجی پور، بہار شریف، پھلواری شریف، ارول، منورا (اوبرا) وغیرہ جگہوں پر متعدد صوفی سنتوں نے اپنی خانقاہیں بنائیں جنہیں آج بھی آپ کسی نہ کسی شکل میں موجود دیکھ سکتے ہیں۔

ہندوستانیوں اور اسلام کے ماننے والوں کے درمیان آپسی میل جول سے اسلامی رواج، مذہب، فن، پہناوا اور پکوان وغیرہ کو بھی ہندوستانیوں نے اپنایا۔آپ کرتا، پاجامہ، شلوار، قمیض، اچکن اور لنگی وغیرہ لوگوں کو پہنتے دیکھتے ہوں گے۔ان کے آنے سے پہلے ہندوستانی صرف دھوتی یا ساڑی ہی پہنتے ہوں گے۔اسلام کے ماننے والے کھانے پینے کی چیزوں میں حلوہ اور سموسہ جیسی لذیذ چیزیں بھی اپنے ساتھ لے کر آئے۔اسلامی کاریگروں نے عمارت کی تعمیر کے کچھ نئے طریقے کو بھی رائج کیا جسے آپ پانچویں باب میں تفصیل سے دیکھیں گے۔

SARVA SHIKSHA - 2014-15 (FREE)

آپ اپنے استاد یا ماں باپ کی مدد سے پانچ پانچ ہندو دیوی دیتاؤں، صوفی سنتوں اور بھکتی سنتوں سے متعلق مقامات کی فہرست بنایئے۔

نمبر شمار	ہندو		عہد وسطی	
	دیوی	دیوتا	صوفی سنت	بھکتی سنت
1				
2				
3				
4				
5				

اسے بھی جانیں

مذہب اسلام کا اگر چہ ذات اور فرقہ میں یقین نہیں تھا پھر بھی ہندو مذہب سے اسلام مذہب اپنے والے اعلیٰ ذات کے لوگوں کو اشراف اور پسماندہ ذات کو اجلاف کہا جاتا تھا۔ دھیرے دھیرے مسلمانوں کے بیچ بھی ذات پرمبنی تقسیم ہونے لگی۔ شیخ، سید، ملک، پٹھان، انصاری، جلاہا وغیرہ کے روپ میں لوگ سامنے آنے لگے۔ اس طرح ہندو مسلم کے آپسی تعلق سے ایک مشترکہ تہذیب کا فروغ ہوا۔

درگا، وشنو وغیرہ کی پوجا کرنے والے لوگوں کے خیال مذہبی کہانیوں کا حصہ بنتے گئے۔ مذہبی کتابوں میں اس بات کا ذکر ملتا ہے کہ بھکت بھلے ہی کسی ذات کا ہو، وہ سچی بھکتی سے ایشور کی قربت حاصل کر سکتا ہے۔ بھکتی کے اس خیال نے ہندوؤں کے پیشواؤں کے ساتھ ساتھ بودھ اور جین دھرم کے پیشواؤں کو بھی متاثر کیا۔

آپ پچھلے درجے میں دیکھ چکے ہیں کہ بھکتی کی شروعات ماتری دیوی اور شیو کی پوجا کے ساتھ ہڑپ تہذیب سے ہی شروع ہو جاتی ہے جبکہ بھکتی کا نظریہ ویدک دور سے ہی شروع ہوتا ہے۔ ویدوں اور اپنشدوں میں آتما اور ایشور کے بیچ سیدھا تعلق قائم کرنے کا خیال پیش کیا گیا تا کہ ہر جاندار کو پنر جنم سے نجات حاصل ہو جائے۔ مذہبی دکھاوے اور غلط کاریوں کو بھی چھوڑنے کا خیال اپنشد کے عین مطابق ہے۔

مینکو ساگار کی کانسے کی مورتی

بھکتی تحریک کے اسباب

عہد وسطیٰ کے ہندوستان میں بھکتی تحریک کے آغاز اور ارتقا میں کئی طرح کے حالات ذمہ دار تھے۔ ویدک رسم، پوجا پاٹھ، مذہبی سرگرمی وغیرہ کافی مہنگے ہو گئے تھے۔ پجاری (پروہت) طبقہ اپنے فائدے کے لئے ویدک رسومات کی ادائیگی کو بہت خرچیلا بنا چکا تھا۔ ان حالات میں ہر خاص و عام مذہبی رسوم کی تکمیل کا خرچ برداشت کرنے میں ناکام تھا۔ دلتوں اور پسماندہ طبقات کے لوگوں کے سماج میں چھوا چھوت اور اونچ نیچ کے فرق کے سبب استحصال زدہ اور ذلیل ہونا پڑتا تھا۔ نتیجتاً سماج کے اس طبقہ کیلئے ایک ایسے مذہب کی ضرورت محسوس ہوئی جو آسان ہو اور سماج میں مساوات کا پیغام دیتا ہو۔

دلی سلطنت کے قیام کے بعد مذہب اسلام کی وحدانیت اور مساوات کے نظریات کی تشہیر و تبلیغ سے بھی ہر طرح کے لوگ اس طرف متوجہ ہوئے۔ ان حالات میں بھکتی سنتوں کے ذریعہ ہندو دھرم میں خود کی اصلاح کی کوشش شروع ہوئی اور بھکتی تحریک کا آغاز ہوا۔

مینکو ساگار کی تخلیق کا ایک نمونہ

میرے بدن کے اس غلیظ پتلے میں
تم آئے جیسے یہ کوئی سونے کا مندر ہو
میرے مہربان پربھو، میرے پاکیزہ ترین جواہر
تم نے مجھے دلاسہ دے کر بچالیا
تم نے میرا دکھ، میرے جنم مرن کی تکلیف، اور موہ مایا ختم کر دیا اور مجھ کو نجات دے دی
ہے برہمانند، ہے پرکاش مے، میں نے تم میں پناہ لی ہے
اور میں تم سے کبھی دور نہیں ہو سکتا

> اوپر کی نظم میں شاعر بھگوان کو کیا کہنا چاہتا ہے ؟

شنکراچاریہ : بھکتی کے ساتھ فلسفہ کا میل

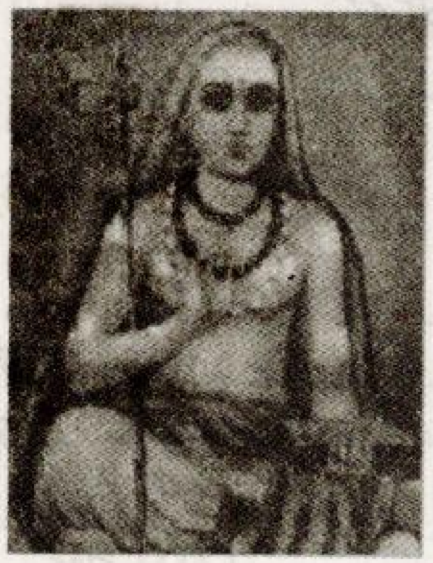

شنکراچاریہ

اسی بھکتی عہد میں عظیم فلسفی شنکراچاریہ کی پیدائش کیرل میں آٹھویں صدی کے نصف آخر میں ہوئی۔ انہوں نے بتایا کہ ہر جاندار میں پرماتما کا نواس ہوتا ہے۔ صرف ایک سچ برہما (پرمیشور) ہے۔ باقی پورا سنسار جھوٹا ہے۔ شنکراچاریہ نے سنسار کو جھوٹا مان کر اور برہما کو سچ سمجھ کر نجات حاصل کرنے کے لئے علم و عرفان کے راستے کو اپنانے کا پیغام دیا۔ انہوں نے اپنے فلسفیانہ خیالات کو پورے ہندوستان میں قابل قدر بنایا اور چاروں سمتوں میں مٹھ قائم کر کے پورے ملک میں تہذیبی یگانگت قائم کرنے کی کوشش کی۔

شنکراچاریہ نے ایشور کے تئیں بھکتی کے لئے

صدی کے نام دیو سے سترہویں صدی کے تکارام تک بھکتوں کی ایک اچھی روایت دیکھنے کو ملتی ہے۔ انہوں نے ایشور کے تئیں عقیدت اور محبت کے اصول کو ہر دل عزیز بنایا۔ ان سنتوں نے مذہبی ریاکاری، مورتی پوجا، زیارت اور توہم پرستی کی مخالفت کی۔ انہوں نے اونچ نیچ اور بھید بھاؤ سے بھی اختلاف کیا اور اپنے پیروکاروں میں سبھی ذات کے لوگوں، عورتوں اور مسلمانوں کو بھی شامل کیا۔

مہاراشٹر کے سنتوں نے بھکتی کی یہ روایت پنڈھرپور میں وِٹھل سوامی کو ایشور کی شکل میں ظاہر کیا۔ ان کی تحریروں کو 'ابھنگ' کہتے ہیں۔ انہوں نے سبھی ورنوں، ذاتوں اور یہاں تک کہ پسماندوں کو بھی ایک نظر سے دیکھا۔

مہاراشٹر کے بھکتی سنتوں کے نام گنیشور، نام دیو، ایک ناتھ، تکارام، گیانیشور، سکوبائی، چوکھ میلا کا خاندان

مہاراشٹر کے بھکتی سنتوں نے اپنے ابھنگ کے ذریعہ سماجی رسوم پر سوالیہ نشان لگایا۔

سنت تکارام کا ابھنگ (مراٹھی بھکتی گیت)

جو دین دکھیوں، کمزوروں کو
اپنا سمجھتا ہے
وہی سنت ہے
کیونکہ ایشور اس کے ساتھ ہے

وہ ہر نیک آدمی کو
اپنے دل سے لگائے رکھتا ہے
وہ ایک غلام کے ساتھ بھی
اپنی اولاد جیسا سلوک کرتا ہے

تکارام کا کہنا ہے:
میں یہ کہتے کہتے
کبھی نہیں تھکوں گا

یعنی جو بھکتی جنوبی ہند میں شروع ہوئی اسے رامانند شمالی ہند میں لایا اور کبیر نے اسے مشتہر کیا۔انہوں نے جاتی واد اور بھید بھاؤ کو غلط بتایا اور سبھی ذات کے لوگوں کے ساتھ ساتھ کھانے پینے کو بھی صحیح ٹھہرایا۔ان کے شاگردوں میں نچلی ذات کے ہندو اور مسلمان بھی تھے۔انہوں نے ذات پات کے خلاف کھلے طور پر لکھا کہ:

ذات پات پوچھے نہیں کوئی
ہری کو بھجے سے ہری کا ہوئی

سگن میں ایشور کو وشنو کے انسانی اوتار کی شکل میں تسلیم کیا۔گیا نرگن طبقہ نے ایشور کا تصور نرنکار برہم کے روپ میں کیا۔اس نے مختلف مذاہب کے درمیان اختلاف بھلا کر سماج میں انسانی مذہب کے استحکام کی کوشش کی۔

میرا بائی

رامانند رام بھکت طبقے کے سربراہ تھے۔ان کے شاگرد دو حصوں میں بٹ گئے۔سگن اور نرگن طبقہ۔سگن طبقہ کے سربراہ سنت تلسی داس تھے جنہوں نے رام چرتر مانس کی تخلیق کی اور رام بھکتوں کی روایت کو ہندی بولنے والے خطوں میں اونچائی تک پہنچایا۔انہوں نے ایک مثالی سماج کا تصور دیا،جس میں سبھی ذات کے لوگ امن اور ضابطے کیساتھ اپنی زندگی بسر کرسکیں۔

ویشنو دھرم کی روایت میں ایک اہم شاخ کرشن بھکتی کی تھی جس میں واسودیو کرشن کو وشنو کا اوتار مان کران کی پوجا پر زور دیا گیا ہے۔اس روایت کے سربراہ سنتوں میں میرا بائی،چیتنیہ،مہا پربھو،ولبھا چاریہ،سورداس اور رس خان وغیرہ کے نام شامل ہیں۔

میرابائی کا تعلق میواڑ اور مارواڑ کے راج گھرانے سے تھا۔یہ بچپن سے ہی کرشن میں اپنی عقیدت اور محبت کے لئے معروف تھیں۔انہوں نے خوش حال زندگی کو چھوڑ کر پریوار کے خلاف سادھوسنتوں کی صحبت اپنائی اور دلت طبقے کے ریداس کی

کبیر کے خیالات کا مجموعہ بیجک ہے۔جس کے دو حصے ساکھی اور سبد ہیں۔

ان کے کچھ بھجن گروگرنتھ صاحب اور پنچ وانی میں جمع ہیں۔

گروگرنتھ مجموعہ گرو اور ارجن دیو کا ترتیب دیا ہوا ہے۔

کبیر کے پیغامات میں برہمن وادی ہندو دھرم اور اسلام کے دونوں کی عبادتوں پر ضرب لگایا گیا ہے۔ان کے ذریعہ تخلیق کی گئی زبان عام بول چال کی ہندی تھی۔کبھی کبھی انہوں نے ایسی زبان کا بھی استعمال کیا ہے جن کا سمجھنا مشکل ہو جاتا ہے۔

کبیر کے کچھ انقلابی دوہے:

1 پاہن پوجے ہری ملے، تو میں پوجوں پہاڑ
تاتے یہ چکی بھلی، پیسی کھائے سنسار

2 پوتھی پڑھ پڑھ جگ موا، پنڈت بھیا نہ کوئے
ڈھائی آکھر پریم کا پڑھے سو پنڈت ہوئے

3 گرو گووند دوؤ کھڑے کا کے لاگوں پائے
بلی ہاری گرو آپ نو جن گووند دیو بتائے

4 کانکر پاتھر جوری کے مسجد لئی بنائے
تا چڑھی ملا بانگ دے، کیا بہرا بھیا خدائے

کبیر رامانند کے شاگرد تھے اور رام نام کے جپ میں یقین رکھتے تھے، لیکن ان کے رام ایودھیا کے راجہ دشرتھ کے بیٹا نہیں تھے۔انہوں نے رام کو اس شکل میں پیش کیا:

دسرتھ کے گرہ برہم نہ جنمے
ای چھل مایا کینہا

یہ دشرتھ کے بیٹے رام کو وشنو کا اوتار بھی نہیں مانتے تھے۔۔

چار ی بھجا کے بھجن میں بھول پڑا سنسار
کبیرا سو میرے تاہی کو جا کی بھجا اپار

دریا صاحب خدا کی وحدانیت کے قائل تھے۔ان کے مطابق خدا ہر جگہ موجود ہے۔ویداور قرآن میں اس کی جھلک اور روشنی ہے۔ایشور نرنکار ہے۔انھوں نے اوتار کی پوجا کو غلط مانا۔انہوں نے صرف پریم بھکتی اور علم وعرفان کو ہی نجات کا ذریعہ مانا۔ان کے مطابق پریم کے بغیر بھکتی ممکن نہیں اور بھکتی کے بغیر علم ادھورا ہے۔ایشور سے پریم گناہ سے بچاتا ہے اور ایشور کو پہچاننے میں مددگار ہوتا ہے۔علم کتابوں میں نہیں بلکہ بیداری میں ہے جب کہ یقین ایشور کے تئیں خود سپردگی میں ہے۔دریا صاحب نے ذات پات، چھوا چھوت وغیرہ سے اختلاف کیا۔ان کے نظریہ پر اسلام کا اور نرگن بھکتی کا اثر دکھائی دیتا ہے۔ان کے پیروکاروں میں دلت طبقہ کی تعداد زیادہ تھی۔

دریا صاحب کے نظریات بہار کے مغربی حصے یعنی آرہ، بکسر، رہتاس اور بھبھوا ضلع میں مقبول تھے۔انہوں نے شاہ آباد کے علاقے میں مٹھ بھی قائم کیے تھے۔ان کا اثر بنارس تک تھا۔

دریا صاحب کی تعلیمات کے کچھ حصے—

ایک برہما شکل گھٹ واسی، ویدہ کتیبہ دنوں پرنا سی
برہما دس، مہیشور دیوا، سبھا ملی کرتیتھن جیوتی کے سیوا
تین لوگ سے باہرے سودس گرو کا دیش
تیرتھ بست، بھکتی، بینو پھیکا اور پڑھئی پاکھنڈ پتھل کا پوجا

صوفی واد

مشترکہ تہذیب کا سب سے زیادہ اثر صوفی واد کے فروغ میں دیکھنے کو ملتا ہے۔بھکتی صوفیوں اور سنتوں میں کافی یکسانیت تھی۔دونوں کے درمیان مسلسل خیالات کا تبادلہ ہوتا رہتا تھا۔صوفی ظاہری اشیا کے بدلے خدا کی وحدانیت، عشق اور انسانوں سے رحم و ہمدردی کو اہمیت دیتے تھے۔

خانقاہ

صوفی سنتوں کے ذریعہ جہاں اسلام اور اسرار وافکار کی تعلیم دی جاتی تھی اس میں سبھی طبقے کے لوگ تعلیم حاصل کر تے تھے۔ استاد کو پیر اور شاگرد کو مرید کہا جاتا تھا۔

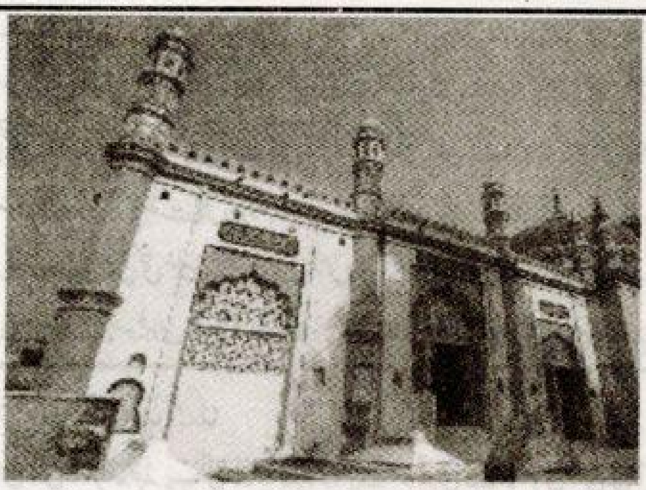

پھلواری شریف خانقاہ

پھلواری شریف خانقاہ عہد وسطی میں تعلیمی جگت کا ایک اہم مرکز ہے۔ یہاں دور دور سے شاگرد عربی اور فارسی کی تعلیم لینے آتے تھے۔ یہاں پیری مریدی کے رواج کا بہترین طریقے سے چلن رائج تھا۔ اس خانقاہ کی لائبریری عہد وسطی کے ادب پاروں اور مخطوطات کے لئے بہت مشہور ہے۔ اس کتب خانہ کی خصوصیت یہ ہے کہ یہاں مغل بادشاہ اورنگ زیب کا لکھا ہوا قرآن شریف کا نسخہ محفوظ ہے۔ اس خانقاہ میں عربی اور فارسی زبانوں کی جان کاری حاصل کرنے راجہ رام موہن رائے آئے تھے۔

اس خانقاہ کی لائبریری تقریباً 400 سال پرانی ہے۔ اس میں تقریباً 4 ہزار مخطوطات محفوظ ہیں۔ اس لائبریری میں مٹی چینی پر قرآن کی آیتیں لکھی ہوئی ہیں۔ یہاں لگ بھگ بیس ہزار اسلامی اور فارسی ادب پر کتابیں موجود ہیں۔ یہ خانقاہ آج بھی اسلامی تعلیم کا خاص مرکز ہے۔ آج بھی یہاں ملک کے ریسرچ اسکالر آتے رہتے ہیں۔

ان کی کچھ ہندی تخلیقات اور تعلیمات کے کچھ حصے دیکھیں:

شرفا گور ڈراون، کس ادھیاری رات برنا پوچھے کوئی، کون تمہاری ذات۔ ہردی میں دیکھ لو بہار سانور گوریوں، بیری بیری کرہے سنگار سانور گوریوں۔ درگیو جیرا، اناٹ گیہو نیندیاں، سوتے وری اتنوں پکار سودا گوریو۔ خوب حیات آج ہوری رچے گی۔

کیا آپ جانتے ہیں ؟

بہار شریف میں حضرت منیریؒ صاحب کا مزار شریف (درگاہ) ہے۔ ان کے بغل میں ان کی ماں رضیہ بی بی کا مزار ہے۔ بی بی رضیہ صوفی فقیر پیر جگ جوت کی دختر تھیں۔

(ج)	نانک دیو	(iii)	آسام
(د)	ایک ناتھ	(iv)	راجستھان
(ہ)	میرابائی	(v)	مہاراشٹر
(و)	دریا صاحب	(vi)	پنجاب

3 آیئے غور کریں: 200 لفظوں میں جواب دیں

(1) ہندوستان میں ملی جلی تہذیب کا فروغ کیسے ہوا ؟ روشنی ڈالئے۔

(2) نرگن بھکتی سنتوں کی ہندوستان میں ایک اچھی روایت رہی ہے، کیسے ؟

(3) بہار کے سنت دریا صاحب کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں ؟ لکھئے۔

(4) منیری صاحب بہار کے عظیم صوفی تھے، کیسے ؟

(5) مہاراشٹر کے بھکتی سنتوں کی کیا خصوصیات تھیں ؟

4 قابل غور نکتے

(1) عہد وسطیٰ کے بھکتی سنتوں میں کچھ فرق کو چھوڑ کر ایک جیسی خصوصیات تھیں، کیسے ؟

(2) شنکراچاریہ نے ہندوستان کو تہذیبی سطح پر ایک کرنے کی کوشش کی، کیسے ؟

(3) کیا آپ کے گاؤں کے پجاری نے عہد وسطیٰ کے سنتوں کی طرح کرم کانڈ، ذات پات اور ڈھکوسلہ وغیرہ کی مخالفت کی، اگر نہیں تو کیوں ؟

(4) کیا آپ نے ہندو اور مسلمانوں کو ساتھ رہتے دیکھا ہے ؟ ان میں کیا کیا یکسانیت ہے ؟

(5) تہذیبی طور پر سبھی مذہبی پیشواؤں کو ایک دوسرے کے قریب لانے کے لئے آپ کیا کیا کرنا چاہیں گے جس سے خوشگوار ماحول سازگار ہو ؟

ان علاقوں میں تہذیبی زندگی کی بنیاد خاص طور پر مستحکم ہوئی۔

زبان اور ادب

علاقائی زبانوں کا آغاز تقریباً آٹھویں سے دسویں صدی کے درمیان ہوا۔ کئی صوبوں میں سنسکرت کے ساتھ تمل، کنڑ اور مراٹھی کا استعمال کیا جاتا تھا۔ وجے نگر میں تیلگو ادب کا فروغ ہوا۔ بہمنی حکومت میں مراٹھی حکومت کی زبان رہی۔ بعد میں ان زبانوں کے فروغ میں مسلم حکمرانوں نے بھی رول ادا کیا۔ مثال کے طور پر بنگال کے حکمراں نصرت شاہ نے رامائن اور مہا بھارت کا بنگالی زبان میں ترجمہ کرایا۔

دلی کے حکمرانوں نے زبان وادب کے فروغ کی راہ ہموار کی جس کے سبب ہندی، اردو اور بنگلہ جیسی دوسری علاقائی زبانوں کو پہچان ملی۔ عام آدمی مختلف علاقوں میں الگ الگ بولیاں بولتے تھے جو مجموعی روپ میں اپ بھرنش کہلاتی تھیں۔ اسی اپ بھرنش سے اردو، ہندی، پنجابی، بنگلہ وغیرہ زبانوں کی پیدائش ہوئی۔ اردو ایک ملی جلی (جس میں عربی فارسی اور ترکی شامل ہے) زبان ہے۔ اس کا رسم الخط فارسی ہے، لیکن قواعد کے ضابطے دوسری زبانوں کی طرح ہیں۔ فارسی کی ترقی کے لئے لاہور پہلا مرکز بنا۔

اردو زبان کی پیدائش اور فروغ گیارہویں صدی سے شروع ہوا۔ اس کے دو اسباب تھے۔ پہلا مختلف مادری زبان والے فوجی آپس میں بات چیت کے لئے جس زبان کا استعمال کرنے لگے وہ اردو کہلائی۔ اردو کا لفظی معنی لشکر یا خیمہ ہے۔ دوسرے صوفیوں اور سنتوں کے ذریعہ مذہبی تعلیمات عام کرنا تھا۔ چودھویں صدی میں امیر خسرو نے اس زبان کو ریختہ اور ہندوی کا نام دیا اور یہ کہا:

امیر خسرو کی کچھ اور اردو نظموں کو جمع کریں۔

گوری سووے سیج پر
مکھ پر ڈارے کیش
چل خسرو گھر آپنے
رین بھئی چھو دیس

نثری ادب اور تاریخ نویسی کا فن بھی اس عہد میں پھولا پھلا۔ ضیاء الدین برنی، عفیف اور عصامی اس دور کے مشہور تاریخ داں تھے۔ ضیاء نقشوی نے "طوطی نامہ" کی تصنیف کی جس میں توتا ایک ایسی عورت کی کہانی سناتا ہے جس کا شوہر سفر میں گیا ہوا تھا۔ یہ کہانی اصلی شکل میں سنسکرت میں تھی، جس کا ضیاء الدین نقشوی نے فارسی میں ترجمہ کیا تھا۔

سلطنت کے دور میں ہندی ادب کی ترقی کی جو ابتدا ہوئی تھی، اس میں مغل عہد میں کافی تیزی آئی۔ اس عہد میں ہندی صرف دربار اور شاہی محلوں تک محدود نہ رہ کر ایک عام زبان کے طور پر عوام میں پھیلنے لگی۔ سبھی مغل حکمرانوں نے ہندی کا تحفظ کیا، لیکن اکبر کے دور میں یہ عروج پر پہنچی۔ سولہویں سترہویں صدی میں علاقائی زبانوں میں نکھار آیا اور عمدہ ادب پارے سامنے آئے۔ بنگالی، اڑیہ، ہندی، راجستھانی اور گجراتی زبانوں کے ادب پاروں میں کرشن اور گوپیوں کی لیلا اور بھاگوت کی کہانیوں کا کافی استعمال ہوتا رہا۔ اس وقت جون پور کے ملک محمد جائسی کی 'پدماوت' کا بنگلہ ترجمہ ہوا۔ اس میں علاء الدین خلجی کی چتوڑ مہم کو بنیاد بنا کر ہندو ملکوں کے اصولوں اور فلسفوں کو اجاگر کیا گیا ہے۔

عبدالرحیم خان خاناں

اکبر کے نورتنوں میں سے ایک عبدالرحیم خان خاناں تھے جو رحیم کی تخلص سے مشہور تھے۔ انہوں نے ہندی میں بہت سے دوہے تخلیق کیے۔ ان کے دوہے آج بھی ہمارے سماج میں رائج ہیں اور لوگ انہیں بہت توجہ سے سنتے اور سناتے ہیں۔

گوسوامی تلسی داس

رحیمن و پدا ہو بھلی
جو تھوڑے دن ہوئے
ہت ان ہت یا جگت میں
جان پڑے سب کوئے
بگڑی بات بنے ناہی
لاکھ کریں کی ہوئے

نے مذہبی جذبات سے جڑی شاعری بھی کی جو عوام کو بہت متاثر کرتی ہے۔ ودیاپتی کی تخلیق جس میں انہوں نے گنگا ندی کے تئیں اپنی عقیدت کا اظہار کیا ہے وہ یہ ہے:

بڑ سکھ سار پاؤں تو تیرے

چھوڑیت نکت نین بہو تیرے

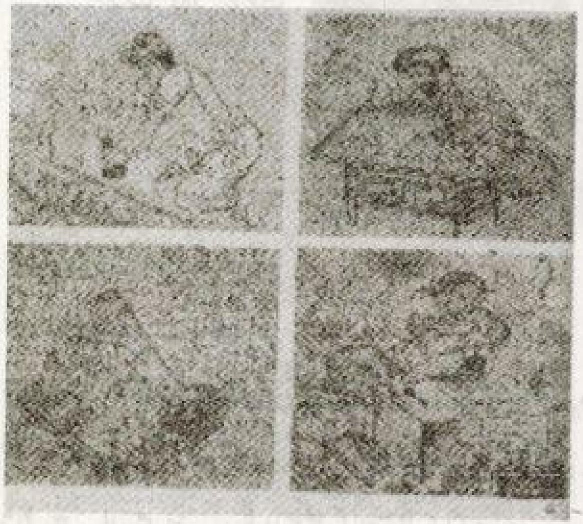

عہد سلطنت کی مصوری کے نمونے

اسی طرح زمانہ قدیم سے چلی آرہی مگدھی زبان نے مگہی کی شکل اختیار کر لی اور اس کے آپ بھرنش سے پیدا ہونے والی بولیوں میں بھوجپوری، بہار کے مغربی اور اتر پردیش کے مشرقی علاقے میں بولی جاتی ہے۔ بھوجپوری زبان کی نشوو نما تقریباً آٹھویں صدی میں ہوئی تھی۔ اگر چہ بھوجپوری ادب کی سلسلہ وار تاریخ نہیں ملتی ہے اور اس کا تحریری ادب کم دستیاب ہے، لیکن اس کی زبانی روایت لوک گیتوں اور لوک کتھاؤں کی شکل میں کافی مقدار میں موجود ہے۔ کبیر اس عہد کے معروف شاعر تھے جن کے دوہے آپسی بھائی چارہ اور مذہبی رواداری کی مثالیں ہیں۔

اس طرح اردو، ہندی، بھوجپوری، میتھلی اور بنگلہ وغیرہ زبانوں اور ان کے ادب کے فروغ میں اس صوبہ کا اہم رول رہا ہے اور اس میں ترک اور مغل حکمرانوں کا بھی تعاون حاصل رہا ہے۔

مصوری کا فن

عہد وسطی سے قبل ہندوستان میں مصوری کو راجاؤں کی سرپرستی حاصل تھی۔ جین، بودھ، راج پوت اور دوسرے ہندو راجاؤں نے قدیم بھارت میں فن مصوری کے فروغ میں اہم کردار نبھایا۔ ساتویں آٹھویں صدی کی تصویریں ہندوستان میں

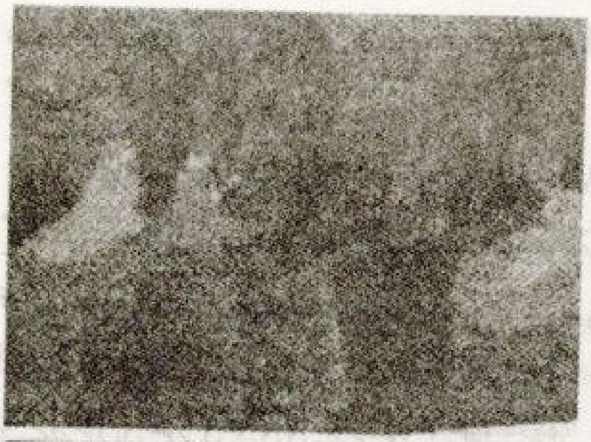

دورِ مغلیہ کی مصوری اور پہاڑی مصوری میں کیا فرق ہوتا ہے؟

اکبر کے دورِ حکومت میں فنِ مصوری کا جو فروغ ہوا، اس میں اکبر کی ذاتی دلچسپی کو خاص دخل ہے۔ اکبر کے زمانے میں چوڑے برش کے برعکس گول برش اور گہرے نیلے اور لال رنگ کا زیادہ استعمال کیا جانے لگا۔ اس کے دربار میں جسونت اور دساؤن نام کے معروف مصور تھے، جنہوں نے فارسی کہانیوں کو تصویروں میں زندہ کرنے کا کام کیا۔ ''مہابھارت'' اور ''اکبر نامہ'' جیسی تخلیقات کی مصوری انہیں ہی سونپی گئی تھی۔ اس عہد میں یوروپی فنِ مصوری کا اثر مغل مصوری پر دکھائی دیتا ہے۔ یوروپی مصوری کے نمونے وہاں کے فن کاروں (پرتگالی) نے اکبر کے سامنے پیش کیے۔ ان میں سے مغلوں نے دو خوبیوں کو اپنایا۔ پہلی خوبی کسی خاص آدمی کی تصویر بنانا تھا۔ دوسری خوبی مناظر میں آگے دکھنے والی چیزوں کو چھوٹے سائز میں پیش کرنا تھا۔ مغل عہد میں شکار کے مناظر، پرندوں اور پھولوں کی تصاویر خاص طور سے بنائی جاتی تھیں۔ راجستھانی فنِ مصوری اور مغربی ہند کی مصوری بھی مغل اندازِ مصوری سے متاثر ہوئی۔

اورنگ زیب کے دور میں فنِ مصوری کا زوال شروع ہوا۔ جب مغل دربار میں ان کو سرپرستی نہیں ملی تو چھوٹے علاقائی راجاؤں اور امیروں نے انہیں تحفظ دیا اور ان علاقوں میں الگ طرح کی فنِ مصوری کا فروغ ہوا۔ اس باب میں پہاڑی مصوری اور پٹنہ قلم کے بارے میں ہم خاص طور سے پڑھیں گے۔

پہاڑی مصوری

شمال مغربی ہمالیائی علاقوں کے مختلف پہاڑی صوبوں میں کی جانے والی مصوری پہاڑی مصوری کہلاتی ہے۔ اس

آتی ہیں، جنہیں اکثر کاغذ اور کہیں کہیں ہاتھی دانت پر بھی بنایا گیا ہے۔ اس شیلی میں کسی خاص شخصیت، تیوہار، تقریب اور جانداروں کو اہمیت دی جاتی ہے۔ اس شیلی میں برش سے تصویر بنانے اور رنگنے کا کام کیا جاتا تھا۔ اس میں گہرے بھورے رنگ، گہرے لال، ہلکے پیلے اور گہرے نیلے رنگوں کا استعمال کیا گیا ہے۔

موسیقی

عہد سلطنت کی تاریخ نئے تجربوں کا دور تھا۔ اس عہد میں رباب، سارنگی اور نئے آلات موسیقی اور راگ راگنیوں کا تجربہ کیا گیا۔ عہد وسطی کی موسیقی کے بنیاد گزار معروف شاعر، تاریخ داں اور فلسفی امیر خسرو تھے۔ دوسرے صوفیوں نے بھی خوب موسیقی کو آگے بڑھایا۔ یہ اپنی نظموں اور غزلوں کے ذریعہ خدا کی تعریف وتوصیف میں مشغول تھے۔ یہ صفی خانقاہوں میں اپنی غزلیں گاتے تھے اور عقیدت میں جھومتے تھے۔

عہد سلطنت میں غزل اور قوالی معروف تھی۔ غزل کو عربی زبان میں مؤنث استعمال کیا جاتا ہے۔ اس کے معنی عورتوں سے گفتگو ہے۔ ایک غزل میں کم سے کم پانچ اور زیادہ سے زیادہ گیارہ اشعار ہوتے ہیں۔ غزل کا مجموعہ دیوان کہلاتا ہے۔ اس وقت کی زیادہ تر غزل آرائش وزیبائش سے بھرپور نظر آتی ہے۔ یہی سبب تھا کہ غزلیں عوام کو بھی پسند تھیں اور صوفیوں کو بھی۔ غزل کے ساتھ ساتھ گائکی کی ایک اور مشہور شیلی (انداز) قوالی بھی تھی۔ قول کا مطلب ہوا کہنا، اور کہنے والا قوال کہلاتا ہے۔ اور یہی گائکی قوالی کے نام سے مشہور ہوئی۔ یعنی غزل کو پہلے عشق مزاجی سمجھا جائے اور اسی کا تعلق جب خدا سے جوڑ دیا جائے تو وہ عقیدت کا مرتبہ حاصل کر لیتی ہے اور قوالی کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ کچھ علاقائی حکمراں جیسے جون پور کے سلطان حسین شرقی اور گوالیار کے حکمراں مان سنگھ نے اس فن کو تحفظ دیا۔ سکندر لودھی نے بھی موسیقی کو تحفظ دینے کی روایت کا بڑے پیمانے پر استقبال کیا۔

﴿ مشق ﴾

1. آیئے پھر سے یاد کریں :

۱. اردو کی پیدائش کس صدی میں ہوئی؟

(الف) آٹھویں (ب) دسویں

(ج) گیارہویں (د) بارہویں

۲. اردو کا لفظی معنی کیا ہے؟

(الف) فوجی بیرک (ب) گھر

(ج) محل (د) دربار

۳. ایرانی سندھو کو کیا کہتے تھے؟

(الف) ہندو (ب) ہندی

(ج) ہند (د) ہندک

۴. اکبر کے نورتنوں میں ان میں سے کون تھے؟

(الف) عبدالرحیم خان خاناں (ب) تلسی داس

(ج) کبیر (د) شیرازی

۵. تلسی داس نے کس کتاب کی تخلیق کی؟

(الف) رام چرت مانس (ب) میگ دوتم

(ج) ابھگیان شکنتلم (د) آنند مٹھ

۶. ان میں سے میتھلی شاعر کون تھے؟

(الف) ودیاپتی (ب) چندیشور

(ج) چنتامنی (د) دساون

9

18ویں صدی میں نئی سیاسی سرگرمیاں

حامد اور پروین کی نگاہیں اچانک اپنے اسکول کے ہیڈ ماسٹر کے کمرے میں لگے 18ویں صدی کے برصغیر ہندوستان کے نقشے پر گئی۔ اس میں انہیں ہندوستان کئی الگ الگ آزاد صوبوں میں منقسم دکھائی دیا جوان صوبوں کے الگ الگ ناموں اور علاقوں سے ظاہر ہو رہا تھا۔ اس نقشے میں مغلوں کا بھی ایک علاقہ دکھائی دے رہا تھا جس کے بارے میں پچھلے باب میں وہ بہت کچھ پڑھ چکے تھے۔ نقشہ دیکھ کر ان نئے صوبوں کی نمود اور اس عہد کے حالات کے متعلق کئی سوالات حامد اور پروین کے ذہن میں فوراً اٹھ کھڑے ہوئے، جنھیں انہوں نے کمرہ جماعت میں استاد کے سامنے رکھا۔

نقشہ: 1 اٹھارہویں صدی کا برصغیر ہند

اگر آپ نقشہ ایک کو دھیان سے دیکھیں تو آپ کو پتہ چلے گا کہ 18ویں صدی کے نصف اول میں کئی آزاد صوبوں کی نمود ہوئی جن کی وجہ سے سلطنت مغلیہ کی سرحد کافی چھوٹی ہوگئی۔ 1707ء میں اورنگ زیب کی وفات کے بعد مغلوں کے کئی صوبے آزاد ہوگئے۔ مغلوں کی مخالفت کرنے والی طاقتوں نے بھی آزاد صوبے بنالئے۔ اس باب میں ہم اسی صدی کے دوران نمودار ہونے والی نئی سیاسی طاقتوں کے بارے میں پڑھیں گے۔

چوتھے باب میں آپ نے مغل سلطنت کے بارے

بُرہان الملک

مغلوں کی مرکزی حکومت کی کمزوری کا فائدہ اٹھا کر دو افراد مرشد قلی خاں اور علی وردی خاں نے بنگال کو دھیرے دھیرے ایک آزاد صوبے میں تبدیل کر دیا۔ مرشد قلی خاں کو 1700ء میں جب بنگال کا صوبہ دار بنایا گیا تھا اسی وقت سے اس نے صوبے کی مکمل حکومت کو اپنے ہاتھ میں لینا شروع کر دیا تھا۔ بنگال میں اپنی حکومت مضبوط کرنے کے لئے سب سے پہلے اس نے آمدنی کے ذرائع اور زمین کی مال گزاری نظام کو اپنے قبضہ میں لے لیا۔ انتظامیہ کے اخراجات کم کیے اور اور زمین داروں کی زمینوں کو صوبہ کی زمین بنا دیا۔ زمین کی مال گزاری وصول کرنیکے لئے اجارہ داری یا ٹھیکے داری نظام کو نافذ کیا۔ غریب کسانوں کی تکلیف دور کرنے اور انہیں محصول دینے کا اہل بنانے کے لئے انہیں "تقاوی قرض" بھی دیے۔ مال گزاری وصولی کے ٹھیکے داری نظام نے کسانوں کے اوپر اقتصادی بوجھ بڑھا دیا تھا۔ اس صوبے میں انتظامیہ کی شکل مغلوں کی طرح ہی رہی اور مذہبی معاملات میں بھی انہیں کی پالیسیوں کو اپنایا گیا۔ ہندوؤں اور مسلمانوں کو روزگار اور انتظامیہ میں یکساں مواقع دیے گئے۔ اس طرح ابتدائی حکمرانوں نے بنگال میں سیاسی استحکام پیدا کیا۔

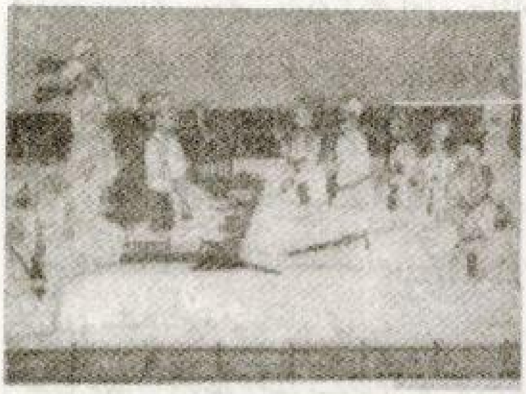

علی وردی خاں کا دربار

حیدرآباد

مغلوں کے زیرنگوں اودھ اور حیدرآباد دو اہم علاقے تھے جہاں بالترتیب برہان الملک اور نظام الملک آصف جاہ نے دو آزاد صوبے قائم کیے۔ ان دونوں صوبوں کے بنیاد گزاروں کا مغل دربار میں کافی اثر تھا لیکن درباری سازشوں سے تنگ آکر انہوں نے اپنے صوبوں کو خود مختار حکومت میں تبدیل کر دیا۔ دونوں صوبوں کے حکمرانوں نے اپنی حکومت کو استحکام دینے کے لئے آمدنی کے ذرائع، زمین کی مال گزاری اور انتظامیہ کو منظم کرنے پر سب سے زیادہ توجہ دی۔

تھے۔ان میں سب سے اہم مراٹھا،سکھ اور جاٹوں کے صوبے تھے۔

مراٹھا صوبہ

ہندوستان میں سترہویں صدی میں ایک عظیم مراٹھا تحریک یا بغاوت شروع ہوئی جو اٹھارہویں صدی کے ربع اول تک ہندوستان کی سب سے طاقتور سیاسی اکائی بن کر ابھری۔ مراٹھوں کا عروج اس صدی کا سب سے اہم سیاسی اور سماجی واقعہ تھا جس کی قیادت ہندوستان کی ایک دلچسپ شخصیت شیواجی (1627-1680) نے کی۔ مغل بادشاہ اورنگ زیب کے ساتھ شیواجی کی جدوجہد مراٹھواڑہ علاقے کے باشندوں کی سیاسی اولوالعزمی کی علامت تھی۔ یہ مغلوں کے خلاف مقبولیت پر مبنی تھی۔ مغلوں کے خلاف عوام کے جذبات کی نمائندگی شیواجی کر رہے تھے۔ دکن میں مراٹھا ایک مضبوط، طاقتور، زمیندار اور محبِ وطن طبقہ تھا۔ یہ طبقہ احمد نگر اور بیجا پور کے صوبوں میں فوجی اور انتظامی خدمات میں شامل تھا۔شروع میں مراٹھوں کے اثرات کو دیکھ کر مغلوں نے بھی ان سے حمایت حاصل کرنے کی کوشش کی ،لیکن شیواجی کے والد شاہ جی بھونسلے نے مغلوں کی حکومت کو دکن میں چیلنج دے کر احمد نگر صوبے میں اپنا اثر ورسوخ کافی بڑھا لیا تھا۔ پھر شاہ جی بھونسلے بیجا پور صوبے کی خدمت میں چلا گیا جہاں اس نے اپنے لئے ایک جاگیر کی تعمیر کی۔ پونا اور اس کے آس پاس کے علاقوں میں بھی اس نے اپنے اثرات قائم کیے۔ حقیقت یہ ہے کہ مراٹھے دکن میں احمد نگر اور بیجا پور کے زیر نگوں رہ کر اپنی آزاد شناخت قائم کرنے کے لئے کوشاں تھے۔شیواجی نے انہیں متحد کر کے ان میں آزاد صوبے کی خواہش پیدا کی۔ اس کام میں انہیں سب سے پہلے مراٹھوں کے بڑے زمینداروں اور صوبے داروں کی مخالفت کا سامنا کرنا پڑا، کیونکہ وہ آزاد مراٹھا صوبے کے بجائے بیجا پور اور احمد نگر صوبے میں زمیندار رہنا چاہ رہے تھے۔ وہ اپنی اپنی جاگیر میں کافی خود مختار اور خود کفیل تھے۔شیواجی بغیر ان کی حمایت کے آزاد مراٹھا صوبہ قائم نہیں کر سکتے تھے۔

شیواجی کی ابتدائی زندگی

شیواجی کی پیدائش 1627ء میں شاہ جی بھونسلے کے گھر ہوئی۔ شیواجی کی ابتدائی زندگی ماں جیجا بائی اور دادا جی کونڈ دیو کی زیر نگرانی اور زیر سرپرستی گزری۔ وہ اپنی چھوٹی جاگیر کو فوجی قوت کے ذریعہ بڑھانا چاہتا تھا۔اس کے تحت اٹھارہ سال کی عمر میں اس نے پونا کے نزدیک رائے گڑھ، کونکن اور تورن کے قلعوں پر قبضہ کر کے اپنی سیاسی اولوالعزمی کا اظہار کیا۔اس وقت

لیا۔اب اس کا خاندان پورے مراٹھے علاقے میں سب سے معزز ہوگیا۔اس بنیاد پر اس نے روایتی مراٹھا خاندان میں شادی کی۔اس سے اس کی سیاسی قوت میں اضافہ ہوا۔اب اس نے ایک باغی کے بجائے بادشاہ یا حکمراں کی حیثیت سے خود کو دکن کے سلطانوں کے سامنے پیش کیا۔

شیواجی کو کولی، کنبی اور دیگر پسماندہ طبقات کی حمایت بڑے پیمانے پر حاصل ہوئی تھی۔ان طبقات نے سماج میں اپنی حیثیت بڑھان اور زمین پر اپنے حقوق دائمی بنانے کے مقصد سے شیواجی کی حمایت کی تھی۔اس علاقے کے دیگر لوگوں کی بھی حمایت شیواجی کو اس لئے ملی تھی کہ وہ لوگ مغلوں کو باہری سمجھتے تھے۔انہیں بادشاہ ماننے کے لئے تیار نہیں تھے اور نہ کسی طرح کا ٹیکس ادا کرنے پر راضی تھے۔وہ مغلوں کے ذریعہ بیجاپور اور احمد نگر صوبوں کے ساتھ اپنائے گئے جنگ آمیز رویے کے سبب بھی ان کی مخالفت کررہے تھے۔اس صورت حال میں شیواجی نے جب مغل حکمرانوں ک خلاف لڑائی شروع کی تو فطری طور پر اسے عوام کی حمایت بڑے پیمانے پر حاصل ہوئی۔مراٹھوں میں کسان طبقہ (کولی، کنبی) اور دلت طبقہ کو ایک ساتھ مضبوط سماجی اتحاد میں منتقل کرن کی کوشش بھی شیواجی نے کی۔اس لئے یہ کہا جاتا ہے کہ اس کا صوبہ دکن میں مغلوں کی مخالفت کی عوامی خواہشات کی نمائندگی کررہا تھا۔اس کی حکومت عوامی جذبات اور عوامی مقبولیت پر مبنی تھی۔

شیواجی کا انتظامی طریقہ

شیواجی کے صوبے کا نقشہ

شیواجی نے اپنے صوبے میں جو انتظامی طرز قائم کیا تھا وہ اس علاقے کے دیگر صوبوں کے مطابق ہی تھا۔اس انتظامیہ کا مرکز بادشاہ تھا۔اس کو تعاون دینے کے لئے آٹھ وزرا کی ایک جماعت تھی۔جسے ''آشٹھ پردھان'' کہتے تھے۔

(1) پیشوا۔وزیراعظم۔شعبہ انتظامیہ اور اقتصادیات کا صدر۔بادشاہ کے بعد سب سے طاقتور افسر جو عوامی مفا کا خیال رکھتا تھا۔

(2) سرنوبت۔سپہ سالار۔فوجیوں کی بحالی، گھوڑا اور دیگر فوجی ساز و سامان کی دیکھ بھال کرنا تھا۔

(3) مجمدار۔محتسب۔اس کا کام صوبے کی آمد و خرچ سے جڑے معاملات کا حساب کتاب تیار کرنا ہوتا تھا۔

بہت زیادہ علاقوں تک کر لی۔ مغلوں کے کئی حکمراں بعد میں پیشواؤں کے زیر اقتدار ہی کام کرنے کے لئے مجبور ہو گئے۔ پیشوا نے پورے مراٹھے صوبے کو پانچ خاندانوں میں الگ الگ تقسیم کر کے حکومت کی ذمہ داری سونپ دی۔ اس تقسیم کی بنیاد چوتھ اور سردیش مکھی کی کامیاب وصولی تھی۔ پونا کے آس پاس کا علاقہ پیشواؤں کے ماتحت، گوالیار کا علاقہ، سندھیا کے پاس، اندور کا علاقہ، ہولکر کے پاس، وڈربھ کا علاقہ گائکواڑ کے پاس اور ناگپور کا علاقہ بھونسلے کے ماتحت رکھا گیا۔ ان سبھوں کا اصولی سربراہ پیشوا ہوتا تھا اور اسے ملا کر مراٹھا تنظیم کہا جاتا تھا۔ مراٹھوں کی اس تقسیم اور تنظیم نے پیشوا کے ماتحت اسے بھارت کا سب سے طاقتور صوبہ بنادیا۔ لیکن شمال مغربی ہندوستان میں اپنی سیاسی خواہشات کی تکمیل کے لئے افغان سردار احمد شاہ ابدالی کے ساتھ 1761 میں ہونے والی پانی پت کی تیسری جنگ میں مراٹھوں کی شکست کے بعد اس کی قوت بہت کمزور ہوگئی۔ اس نے مراٹھوں کے عروج پر روک لگادی۔

چوتھ

مراٹھوں کے ذریعہ پڑوسی صوبائی علاقوں پر حملہ نہیں کیئے جانے کے بدلے میں لیا گیا ٹیکس۔ یہ پیداوار کا 25 فیصد ہوتا تھا۔

سردیش مکھی

مراٹھوں کے بڑے زمیندار خاندانوں سردیش مکھوں کے ذریعہ لوگوں کے مفاد کے تحفظ کے بدلے ان سے لیا گیا ٹیکس۔ یہ پیداوار کا 9 سے 10 فیصد ہوتا تھا۔

جاٹ صوبہ

مراٹھوں کی طرح ہی جاٹ نام کی ایک کسان جماعت نے سترہویں اٹھارہویں صدی میں مغلوں سے جدو جہد کے بعد اپنا ایک آزاد صوبہ قائم کر لیا جس کا مرکز مغربی راجستھان تھا۔ اورنگ زیب کے خلاف سب سے طاقتور اور پہلی زرعی بغاوت انہیں لوگوں کی تھی۔ اس طبقہ میں زیادہ کاشت کار تھے۔ کچھ ہی زمیندار تھے۔ ان کے درمیان بھائی چارہ اور انصاف کے شدید جذبات تھے جنہوں نے انہیں متحد کر رکھا تھا۔ ویسے تو جاٹوں کی بغاوت زمینداروں کی قیادت میں ہونے والی زرعی بغاوت تھی لیکن اسی بنیاد پر 1860 تک ان کا دبدبہ دلی اور آگرہ کے علاقوں پر قائم رہا۔ اسی اثر اور دبدبہ کے نتیجے میں بھرت پور میں چوڑامن اور بدن سنگھ کی قیادت میں جاٹ صوبہ قائم ہوا۔ اس کو مکمل فروغ سورج مل (1763-1756) کی قیادت

میں سیاسی اور انتظامی بکھراؤ کی علامت تھی۔ لوگوں کے سامنے کئی صوبے ابھر کر آگئے تھے۔ یہ سبھی اپنے صوبے کو بڑھانے اور دوسروں سے طاقتور بننے کے لئے آپس میں لڑتے رہتے تھے۔ انہوں نے اپنی حکومت کا خرچ چلانے کے لئے محصول اور اصلاحی انتظامیہ میں ٹھیکے داری طریقہ کار شروع کر دیا۔ چونکہ ان کا زیر حکومت علاقہ چھوٹا تھا، اس لئے ان کی آمدنی خرچ کے مطابق نہیں ہو پاتی تھی۔ اس لئے محصول اراضی کی وصولی میں انہوں نے اس طریقہ کو اپنایا جس کے نتیجے میں کسانوں کا استحصال مزید بڑھ گیا۔ سیاسی بدامنی کے اس ماحول میں تجارت، معاشیات، دست کاری اور زراعت کی ترقی امید کے مطابق نہیں ہو سکی۔ اس وقت کا حکمراں طبقات آپسی لڑائی اور عیش و آرام کی زندگی میں اپنا پیسہ خرچ کر رہے تھے۔ ہندوستان اور عالمی سطح پر سیاسی تبدیلیوں اور انقلابات سے وہ بے خبر تھے۔ اس وقت وہ ہندوستان میں موجود انگریز تاجروں کے اصل مقصد کو نہیں سمجھ سکے۔

سیاسی بکھراؤ کے اس دور میں انگریزوں نے دھیرے دھیرے خود کو ایک سیاسی قوت کے روپ میں یہاں قائم کرنا شروع کیا۔ علاقائی صوبوں کے عوام اور حکمرانوں کے جذبات صرف اپنے علاقوں سے وابستہ تھے، اس لئے انگریزوں کے بڑھتے قدم کو وہ روک نہ سکے۔ جب تک وہ انگریزوں کے اصل مقصد سے واقف ہوتے، انگریز انہیں اپنا غلام بنا چکے تھے۔ یہاں ہندوستان میں علاقائیت کے جذبات کمزور ہونے لگے اور کئی سطحوں پر اپنے ایک یکساں دشمن (انگریز) کی مخالفت شروع ہو گئی۔ 1857 کی بغاوت اس مخالفت کی ایک نمایاں شکل تھی۔ اگرچہ اس کے وجوہات الگ تھے پھر بھی اس میں شامل لوگوں کا واحد مقصد تھا انگریزی سرکار کو ملک سے باہر بھگانا۔

(iii)	نظام الملک	جاٹ
(iv)	سورج مل	حیدر آباد
(v)	1707ء	محصول اراضی انتظامیہ

7 آیئے غور کریں

(i) اودھ اور بنگال کے نوابوں نے جاگیرداری سسٹم کو ختم کرنے کی کوشش کیوں نہیں کی ؟

(ii) شیواجی نے اپنے صوبے میں کیسا انتظامی طریقہ قائم کیا تھا ؟

(iii) شیواجی کی قیادت میں مراٹھا صوبے کا فروغ کیوں ہوا ؟

(iv) ہندوستانی تاریخ پر مغل حکومت کی کمزوری کا کیا اثر پڑا ؟

(v) اٹھارہویں صدی میں نمودار ہونے والے صوبوں کے درمیان کیا یکسانیت تھی ؟

8 آیئے کر کے دیکھیں

(i) شیواجی اور اورنگ زیب کے تعلقات کے بارے میں رائج کہانیاں اپنے ہم جماعت دوستوں کو سنائیں۔

یا

شیواجی کے بارے میں عام لوگوں کے درمیان کون سی روایت مشہور ہے ؟

(ii) گرو گوبند سنگھ کی موت سے وابستہ واقعہ کا پتہ لگائیں۔

بعد انہوں نے پٹنہ کالج کے شعبہ تاریخ میں درس وتدریس کو اپنا شیوہ بنایا۔ وہ آگے چل کر 1923ء میں شعبہ تاریخ کے صدر بھی ہوئے۔ 1926ء میں سبک دوش ہونے کے بعد بھی وہ مسلسل تحقیقی کاموں میں لگے رہے۔

شخصیت

پٹنہ کالج

سر یدوناتھ وقت کے بہت پابند تھے اور ریسرچ اسکالروں کو تمام سہولیات فراہم کرتے تھے۔انہیں قومی تحریک اور اس سے جڑے انقلابیوں اوران کے لیڈروں سے کافی ہمدردی اور محبت تھی۔انقلابی گروہ کے لوگوں کے گھر اکثر آنا جانا ہوتا تھا، جس کے سبب انگریزی حکومت انہیں ہمیشہ شک کی نظر سے دیکھا کرتی تھی۔ پروفیسر سرکار کئی اداروں اور شعبوں کے رکن بھی رہے۔انہیں ڈھاکہ اور پٹنہ یونیورسٹی سے ڈی لٹ کی اعزازی ڈگری بھی ملی۔اس کے علاوہ ان کے کلکتہ واقع مکان کو ٹی بی اسپتال کے لئے وقف کردیا گیا تھا،لیکن کسی وجہ سے اسپتال نہیں بنا۔اب وہاں اس وقت کے وزیر تعلیم جناب نورالحسن کی کوششوں سے سوشل سائنس کی تعلیم کے لئے مرکز قائم کیا گیا ہے۔

تاریخ داں کی شکل میں سر یدوناتھ سرکار کی زندگی تاریخ کے لئے وقف رہی۔انہوں نے مغل عہد سے متعلق اورنگ زیب، شیواجی اور مغل حکومت کے زوال پر نہ صرف ٹھوس تحقیقی کام کیا ہے بلکہ زیادہ سے زیادہ پرانے ادب پارے اور دستاویزاتی حقائق کو تلاش کا بھی اہم کام انجام دیا ہے۔انہوں نے کسی ثبوت کو اس وقت تک صحیح اور صحت مند نہیں تسلیم کیا جب تک کہ اس کا گہرا مطالعہ نہ کرلیا۔اس کام کے لئے سر یدوناتھ نے کئی زبانوں کا عمیق مطالعہ کیا تھا۔وہ بڑھاپے میں بھی بہت ترتیب اور ذمہ داری کے ساتھ کام کرتے تھے تاکہ اپنی تحریروں کو نامکمل نہ چھوڑ کر دنیا سے رخصت ہوجائیں۔خوش قسمتی سے انہوں نے اپنا کوئی بھی کام ادھورا نہیں چھوڑا۔

انہوں نے اپنی تاریخ نگاری کے خاص موضوع کے طور پر اورنگ زیب کو منتخب کیا۔ حالانکہ ابتدا میں ان کا رجحان 1857ء کے غدر کی طرف تھا۔کئی انگریز تاریخ داں فارسی تحریروں کی بنیاد پر ہندو مسلم تاریخ پر بہت کچھ لکھ چکے

اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ بنیادی ذرائع کے تقابلی مطالعہ کو اپنی تاریخ نویسی کا مقصد بنانے میں یدوناتھ نے اہم کردار نبھایا۔ یہی وجہ ہے کہ جدید ہندوستان میں نئی تاریخ نویسی کا انہیں موجد بھی کہا جاتا ہے۔انہوں نے سب سے پہلے تنقیدی اور تبصراتی انداز نظر سے تاریخ کا جائزہ لیا۔انہوں نے تاریخ نویسی کے دوران موجودہ اور بنیادی دستاویزات کو اہم مانا۔ان کا اصول تھا کہ بغیر دستاویزات اور ثبوت کے تاریخ نہیں لکھی جاسکتی۔وہ تاریخ نویسی کے لئے جغرافیہ کی واقفیت کو لازمی قرار دیتے تھے۔ان کا ماننا تھا کہ تاریخ نویسی میں سائنس کی طرح معروضیت نہیں آسکتی لیکن اس کے باوجود تاریخ نویسوں کو سائنسی اصولوں کو اپنانا چاہئے اور حقیقت کی بنیاد پر صورت حال کو ہو بہو پیش کرنا چاہئے۔انہوں نے ہمیشہ اپنی تحریروں میں غیر جانبداری کا ثبوت پیش کیا اور دوسروں کو بھی اس کے لئے تیار کرنے کا کام کیا۔

سر یدوناتھ تاریخ نویسوں کی اس نسل سے تعلق رکھتے تھے جو تاریخ میں شخصیات کے کردار اور حکمراں طبقے کے طور اطوار کو بنیاد بناتے ہیں۔نتیجہ یہ ہوا کہ انہوں نے اپنی تحریروں میں کہیں اقتصادی،سماجی حالات اور ان کے اثرات کو اپنی تحقیق کی بنیاد نہیں بنایا۔سر یدوناتھ کے نظریات اور ان کے ذریعہ پیش کئے گئے جائزے کو آج کی تاریخ نویسوں کے ذریعہ پرکھا جارہا ہے۔مختصر میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ بنیادی ذرائع اور ثبوتوں کے مطالعہ اور تاریخ نویسی کو پرانے دور سے نئے دور میں لانے میں ان کا بہت عظیم کارنامہ ہے۔اور وہ اپنے اس کارنامے کے لئے ہمیشہ یاد کئے جائیں گے۔

پروفیسر سید حسن عسکری (1901-1990)

عسکری صاحب

پروفیسر سید حسن عسکری بہت ہی سادہ مزاج تاریخ داں تھے۔ان کی سادگی وسعت نظری اور وسعت قلبی نے انہیں زندگی میں ہی مقبول و معروف بنادیا۔ان کی زندگی سے جڑے مختلف واقعات،تحقیق و مطالعہ سے حد درجہ رغبت اور تاریخ نویسی کے تئیں Devotion نے انہیں عظمت کے مقام پر پہنچادیا۔عسکری صاحب کبھی کسی عہدے یا اعزاز اور شہرت کے پیچھے نہیں بھاگے۔وہ ہمیشہ ایک بے نیاز دانشور کی طرح عہد وسطیٰ کی تاریخ سے معلق اہم دستاویزوں اور مخطوطات کی تلاش و جستجو میں مصروف رہے۔یہی سبب ہے کہ انہوں نے ہمیشہ نئی کھوج اور تحقیق کو منظر عام پر لانے میں کامیابی حاصل کی۔

لکھا، لیکن کچھ تحریریں اردو میں بھی موجود ہیں۔ انہوں نے اپنی پوری زندگی تاریخ نویسی کو وقف کردی اور تقریباً 150 معیاری مقالات تحریر کیئے۔ عسکری صاحب نے کبھی مالی فائدے کے لئے قلم نہیں اٹھایا۔ عہد وسطیٰ (ہندوستان) پر غور وفکر اور تحقیق ان کی عادت سی بن چکی تھی۔ اس میدان کے ریسرچ اسکالروں کے لئے وہ ایک ایسا مینارہ تھے جس سے وہ ہمیشہ روشنی حاصل کرتے رہتے تھے۔ پٹنہ کے عہد وسطیٰ بہار سے متعلق کسی گلی کوچہ، مندر مسجد وغیرہ کی جانکاری وہ فوراً مہیا کردیتے تھے۔

> **تحقیقی کام**
>
> موجودہ ذرائع کی بنیاد پر پیش کی گئی معلومات کی نئی، منطقی اور ترتیب وار مضمون کی تیاری جب کسی اسکالر کے ذریعہ کی جاتی ہے تو اسے اس موضوع سے متعلق ریسرچ کہا جاتا ہے۔

ڈاکٹر عسکری کاشی پرشاد جیسوال مرکز تحقیق کے ڈائرکٹر اور خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری کے انتظامیہ کے ممبر تھے۔ وہ کئی رسالوں کی مجلس ادارت میں بھی شامل تھے۔ ان کی ان خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے برطانوی حکومت نے انہیں ''خاں صاحب'' کا خطاب دیا تھا۔ پروفیسر عسکری کو پٹنہ اور مگدھ یونیورسٹی نے ڈی لٹ کی اعزازی سند بھی دی تھی۔ ان کی خدمات کی بدولت پٹنہ کے شہریوں نے انہیں ''بہار رتن'' کے طور پر یاد کیا۔ اور حکومت ہند نے انہیں پدم شری ایوارڈ سے نوازا۔ ہندوستانی تاریخ کانگریس نے بھی سائنس اور غیر جانبدار تاریخ نویسی کے لئے بطور خاص انہیں اعزاز دیا۔ انہیں ہندوستان کے تین تین صدر جمہوریہ سے اعزاز حاصل کرنے کا فخر حاصل ہے۔

مؤرخ کی حیثیت سے پروفیسر عسکری کا اہم کارنامہ نئے ذرائع کی تلاش اور انہیں متعارف کرانا تھا۔ انہوں نے انگریزی اور اردو زبانوں میں 200 سے زیادہ مضامین لکھے جو مختلف ریسرچ میگزین میں شائع ہوئے۔ انہیں بعد میں یکجا کر کے انگریزی میں پانچ حصوں میں اور اردو میں ایک جلد میں خدابخش لائبریری نے شائع کیا۔ ایک کتاب **History of BiharComprehensive** بہار اردو اکادمی نے بھی شائع کی۔ اس کے علاوہ انہوں نے دو اور کتابوں کو بھی ترتیب دیا۔ **Comprehensive History of Bihar** میں ان کے معاون مدیر پروفیسر قیام الدین احمد تھے۔ ان میں اقبال نامہ اور شاہ نامہ منور کلاں شامل ہیں۔ دونوں کتابیں فارسی کتابوں سے متعلق ہیں۔

ڈاکٹر عسکری روایتی تاریخ نویسی سے واقف تھے۔ اس لئے انہوں نے خاص طور سے سیاسی تاریخ اور تہذیبی تاریخ

وَندے ماترم

سُجلام سُفلام مَلَیَج شیتلام،

شسیئے۔شیام لام مَاترَم

وَندے مَاترَم!!

شُوبھر۔جیوتسنَا۔پُلکِت۔یامِنیم،

پھُلّ۔کوسُومِت۔دُرم دَل۔شُوبھِنیم

سُوہاسِنیم،سومدھُر بھاشِنیم،

سُوکھدَام،وَردام،مَاترَم!!

وَندے مَاترَم!!